تفسیر
سورۃ الاعراف

(۷) الاعراف

نام آیت ۴۶ میں اَعراف (بلندیوں) کا ذکر ہوا ہے جو خاص اہمیت رکھتا ہے اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام **الاعراف** ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ انعام کے بعد نازل ہوئی ہوگی۔ سورۂ انعام میں رسالت کے سلسلہ کے بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا تھا اس سورہ میں رسالت کے مسئلہ پر تاریخی شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔

مرکزی مضمون رسالت پر ایمان لانے کی دعوت ہے اور انذار کا پہلو غالب ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۱۰ کی حیثیت تمہید کی ہے جس میں نزولِ قرآن کا مقصد واضح کیا گیا ہے کہ غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو چونکانا اور بیدار کرنا ہے۔

آیت ۱۱ تا ۲۵ میں آدمؑ اور ابلیس کا قصّہ بیان کیا گیا ہے جس سے شیطان کی فریب کاری واضح ہوتی ہے اور اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ آدمی شیطان کے چکموں میں نہ آئے ورنہ ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم ہوجائے گا۔

آیت ۲۶ تا ۳۴ میں ان گمراہیوں سے آگاہ کیا گیا ہے جن کی طرف شیطان انسان کو دھوکہ دیکر لے جانا چاہتا ہے۔

آیت ۳۵ تا ۵۳ میں اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں انسان کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ وہ ہدایت کے لئے رسولوں کو بھیجے گا اور کامیاب وہی ہوں گے جو ان کی پیروی کرینگے۔ بتلایا گیا ہے کہ اسی مقصد کے لئے پیغمبروں کا ظہور ہوتا رہا ہے اس لئے ان کی پیروی کرنے والوں اور اس سے انکار کرنے والوں کا انجام آخرت میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوگا۔ اس انجام کی ایک جھلک ان آیات میں دکھائی گئی ہے تاکہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا انجام بخیر ہو وہ اتباعِ رسول کی راہ اختیار کرے۔

آیت ۵۴ تا ۵۸ میں مختصراً توحید کے دلائل بیان کئے گئے ہیں تاکہ دعوتِ توحید کو جو انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت رہی ہے قبول کرنے کے لئے دل آمادہ ہوجائیں۔

آیت ۵۹ تا ۹۳ میں چند مشہور پیغمبروں کی سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں جنہوں نے دعوتِ توحید پیش کی تھی اور ان کی قوموں نے انکار کی روش اختیار کی، تو وہ کس طرح دنیا ہی میں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں۔

آیت ۹۴ تا ۱۰۲ میں انسانی آبادیوں کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ وہ ان واقعات سے سبق لیں۔

آیت ۱۰۳ تا ۱۳۷ میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت پیش کی گئی ہے جو اس بات کی تاریخی شہادت ہے کہ اللہ کا غضب مفسدین ہی پر بھڑکا ہے۔ اور اللہ کے رسول کی پیروی اختیار کرنے والوں پر اس کی رحمت ہی نازل ہوتی رہی ہے۔

آیت ۱۳۸ تا ۱۷۱ میں بنی اسرائیل کی سرکشی کی کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی رحمت صرف انہی لوگوں کا حصّہ ہے جو رسول کی مخلصانہ پیروی کریں۔ پیروی کا محض دعویٰ کرنے سے کوئی شخص یا گروہ اللہ کی رحمت کا مستحق نہیں بنتا۔ بنی اسرائیل اس کی زندہ مثال ہیں۔ اور آج بھی یہ لوگ اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ پاسکتے ہیں بشرطیکہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کی اتباع کریں جن کے بارے میں پہلے سے پیشین گوئیاں آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن اگر یہ اس نبی پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں تو ان کی پچھلی سرکشانہ روش کو دیکھتے ہوئے یہ بات ان سے بعید نہیں اس لئے لوگوں کو ان کے رویّہ سے متاثر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس نبی پر ایمان لانے کا مسئلہ دلائل وشواہد کی روشنی میں طے کرنا چاہئے۔

آیت ۱۷۲ تا ۱۹۸ میں مشرکین پر یہ واضح کرتے ہوئے کہ شرک عہد فطرت کی خلاف ورزی ہے، توحید کو دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قیامت سے متعلق ان کے اس سوال کا کہ وہ کب آئے گی، جواب دیا گیا ہے۔ اور ان کے دیگر شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے شرک کی نامعقولیت اور اس کا یکسر باطل ہونا واضح کیا گیا ہے۔

آیت ۱۹۹ تا ۲۰۶ خاتمۂ کلام ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے آپؐ کے پیروؤں کو صبر واستقامت اور ذکرِ الٰہی کی ہدایت کی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْأَعْرَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ①

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ
مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَاۗءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَاۗىِٕلُوْنَ ④

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ⑤

فَلَنَسْـَٔــلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔــلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَاۗىِٕبِيْنَ ⑦

وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑩

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ ۡ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

۷۔ سورۃ الاعراف

آیات:۲۰۶

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ الف،لام،میم،صاد۔ ۱؎

۲ یہ کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی ہے ۲؎۔تو (دیکھو) اس کی وجہ سے تمہارے دل میں کوئی تنگی پیدا نہ ہو ۳؎ ۔یہ اسلئے نازل کی گئی ہے کہ تم اس کے ذریعہ لوگوں کو ہوشیار کرو ۴؎ اور ایمان لانے والوں کیلئے یاددہانی ہو۔۵؎

۳ (لوگو!) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو ۶؎ تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔

۴ اور کتنی ہی آبادیاں ہیں جن کو ہم ہلاک کر چکے ہیں چنانچہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آیا یا دوپہر میں جبکہ وہ آرام کر رہے تھے۔ ۷؎

۵ اور جب ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔۸؎

۶ تو (یاد رکھو) ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جنکی طرف پیغمبر بھیجے گئے اور یقیناً پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔۹؎

۷ پھر ہم پورے علم کے ساتھ ساری سرگزشت ان کے سامنے بیان کریں گے۔اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔

۸ وزن اس روز حق کا ہوگا ۔تو جن کی میزانیں بھاری ہوں گی وہی کامیاب ہونگے۔۱۰؎

۹ اور جن کی میزانیں ہلکی ہوں گی ۱۱؎ تو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے رہے۔

۱۰ اور ہم نے تمہیں زمین میں بااختیار بنایا ۱۲؎ اور تمہارے لئے گزر بسر کا سامان فراہم کیا مگر تم کم ہی شکرگزار ہوتے ہو۔

۱۱ ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی ۱۳؎، پھر فرشتوں سے کہا آدمؑ کو سجدہ کرو۔تو سب نے سجدہ کیا ۱۴؎ مگر ابلیس ۱۵؎، کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

۱؎ حروفِ مقطعات کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۱؎ اور سورۂ آل عمران نوٹ ۱؎ میں گزر چکی۔

یہ حروف سورہ کے بعض مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مخصوص اہمیت کے حامل ہیں۔اس سورہ کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الف کا اشارہ اللہ کی طرف یعنی توحید کے مضامین کی طرف اور لام کا اشارہ لا الہ الا ھو (آیت ۱۵۸) یعنی شرک کی نفی کے مضامین کی طرف ہے۔اسی طرح میم کا اشارہ مُرسَلین (آیت ۶) یعنی سلسلۂ رسالت کے مضامین کی طرف ہے۔رہا صاد تو اس کا اشارہ ان قصص کی طرف ہے جو اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے انکار کے نتیجہ میں بستیوں کی ہلاکت کے واقعات سنانے کے بعد فرمایا تِلْکَ الْقُریٰ نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَائِھَا ''یہ بستیاں ہیں جن کے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔'' (آیت ۱۰۱) اس آیت میں لفظ نَقُصّ کا آخری حرف صاد ہے اسی طرح آیت ۱۷۶ میں فَاقْصُصِ الْقَصَص (یہ سرگزشتیں لوگوں کو سناؤ) کا آخری حرف صاد ہے۔

گویا یہ حروف سورہ کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں کہ اس میں چار اہم مضامین بیان ہوئے ہیں توحید کی دعوت، شرک کی تردید، رسالت پر ایمان لانے کی دعوت اور انکار کی روش اختیار کرنے والی بستیوں کی تباہی کے واقعات۔(اور اللہ ہی اپنے کلام کے اسرار کو بخوبی جانتا ہے)

۲؎ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

۳؎ یعنی حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ ہی نے نازل فرمائی ہے لیکن مخالفین اس کو کتابِ الٰہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔وہ اس کو تمھاری تصنیف قرار دیتے ہیں۔اس صورت حال سے تمہیں پریشان اور تنگ دل نہیں ہونا چاہئے۔تم مطمئن رہو کہ حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

۴؎ یہ ہے نزولِ قرآن کا اولین مقصد یعنی غفلت میں پڑی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنا کہ وہ یوم جزا سے باخبر ہو اور انکار کرنے والوں کو عذاب الٰہی سے متنبّہ کرنا۔

۵؎ یہ ہے نزولِ قرآن کا دوسرا اہم مقصد۔جو لوگ انذار (تنبیہ) کے نتیجہ میں قرآن کی دعوت قبول کرلیں ان کے لئے تذکیر (یاددہانی ونصیحت) کا سامان ہو۔بالفاظ دیگر قرآن سے حقیقی فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوں گے جو اس پر ایمان لائیں گے۔

۶؎ یعنی تمام معاملاتِ زندگی میں پیروی کتابِ الٰہی (قرآن) کی، کی جانی چاہئے۔اس کو نظر انداز کر کے کسی بھی مذہبی پیشوا یا سیاسی لیڈر یا مفکر وغیرہ کے عقائد، افکار، نظریات یا خیالات کو قبول کرنا اور اس کے پیچھے چلنا خدا کو چھوڑ کر اس کو اپنا سرپرست بنالینا ہے اور یہ درحقیقت شیطان ہی کی پیروی ہے۔

۷؎ یعنی عذاب کی سختی اچانک نمودار ہوئی اور ایسے وقت نمودار ہوئی جو ان کے آرام کا وقت تھا اور آرام کے وقت جو تکلیف پہنچتی ہے وہ شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔

۸؎ یعنی عذاب کے آثار دیکھتے ہی انہوں نے اپنے غلط کار اور مجرم ہونے کا اعتراف کرلیا لیکن مہلتِ عمل کے ختم ہوجانے کے بعد اعتراف کا کیا فائدہ؟

۹؎ جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے ان سے قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ کیا ہمارے پیغمبر تمہارے پاس نہیں آئے تھے اور کیا انہوں نے اس دن سے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا؟ پھر تم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ آیا انہوں نے اللہ کا پیغام بے کم وکاست اپنی امتوں تک پہنچادیا تھا اور ان کی طرف سے اس کا کیا جواب ملا؟

۱۰؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ قارعہ نوٹ ۶؎۔

۱۱؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ قارعہ نوٹ ۷؎۔

۱۲؎ یعنی دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ زمین پر اختیار واقتدار رکھنے والی مخلوق ہے۔ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اس نعمت سے نوازے جانے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکرگزار بندہ بن کر رہے۔

۱۳؎ یعنی انسان کی تخلیق اس طرح ہوئی کہ پہلے اس کے جسم کا ہیولیٰ تیار کیا گیا پھر اس کی صورت گری کی گئی۔

یہاں نوع انسانی کی تخلیق کا ذکر ہوا ہے جس کے فرد اوّل آدمؑ ہیں اور جن کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔

۱۴؎ اس کی تشریح سورہ بقرہ نوٹ ۴۷؎ میں گزر چکی۔

۱۵؎ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۴۸؎ میں گزر چکی۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

۱۲ فرمایا کہ کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ ۱۶؎

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳ فرمایا، یہاں سے اتر جا۔ تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں گھمنڈ کرے۔ نکل جا کہ تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔ ۱۷؎

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴ بولا مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) اُٹھائے جائیں گے۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ فرمایا تجھے مہلت دی گئی۔ ۱۸؎

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ۙ

۱۶ کہا چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے۔ ۱۹؎ اس لئے میں تیری سیدھی راہ پر ان کی گھات میں بیٹھا رہوں گا۔ ۲۰؎

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ پھر ان کے آگے سے بھی ان پر حملہ کروں گا اور پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی کروں گا اور بائیں سے بھی ۲۱؎۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ ۲۲؎

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ اور اے آدمؑ! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو ۲۳؎ اور جہاں سے چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ۲۴؎ ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ پھر شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا ۲۵؎ تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں ان پر کھول دے۔ ۲۶؎ اس نے کہا تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ۙ

۲۱ اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ ۲۷؎

۱۶۔ آگ ایک لطیف چیز ہے اور مٹی کثیف۔ ابلیس جنوں میں سے تھا اور جن چونکہ آگ سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ابلیس محض اپنے مادۂ تخلیق کو دیکھ کر اس خیال خام میں مبتلا ہو گیا کہ وہ آدمؑ سے بہتر ہے اور پھر جب خدا نے اس کو آدمؑ کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اپنی یہ منطق خدا کے سامنے پیش کر کے سجدہ کرنے سے انکار کیا حالانکہ نہ اس کی یہ منطق صحیح تھی اور نہ حکم خداوندی کے آگے کسی قسم کی منطق چلانا ہی صحیح ہے۔ بندہ کا کام تو حکم الٰہی کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ اس کے حضور حجت بازی کرنا چنانچہ فرشتوں نے حکم الٰہی کی بے چون و چرا تعمیل کی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خدا کی مخلصانہ بندگی کی راہ وہی ہے جو فرشتوں نے اختیار کی۔ رہا ابلیس کا اپنے مادۂ تخلیق کو دیکھ کر احساس برتری میں مبتلا ہونا تو یہ اس کی کوتاہ بینی تھی ورنہ جنوں کے مقابلہ میں اعلیٰ خصوصیات والی مخلوق انسان ہی ہے چنانچہ خلافت ارضی کا تاج انسان ہی کے سر پر رکھا گیا ہے نہ کہ جنوں کے سر پر۔

۱۷۔ ابلیس نے خدا کا حکم نہیں مانا گھمنڈ کیا اس لئے اس کو جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ اس سے جزائے عمل کا یہ اصول بھی واضح ہوا کہ جو کوئی جانتے بوجھتے خدا کے حکم کو رد کرے گا اور بندگی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے تکبّر اور گھمنڈ کا رویہ اختیار کرے گا وہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ جنت جیسے بلند مقام میں جگہ پا سکے۔ اس کے لئے پستی مقدر ہے۔

۱۸۔ ابلیس کو یہ مہلت قیامت تک کے لئے دی گئی ہے اور یہ مہلت اس منصوبہ کے تحت ہے جس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۴۶۔)

۱۹۔ ابلیس نے اپنی گمراہی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ڈال دی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی سرکشی کے نتیجہ میں گمراہ کیا اس لئے گو ابلیس اللہ کے قانونِ ضلالت کے تحت گمراہ ہوا لیکن اس کی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

۲۰۔ سیدھی راہ سے مراد توحید اور دینِ حق کی راہ ہے۔ ابلیس کو چونکہ انساں سے حسد پیدا ہو گیا تھا اور اسے گمراہ کرنے کے لئے مہلت بھی مل گئی تھی اس لئے اس نے یہ چیلنج دیا کہ میں بنی نوع انسان کو توحید کی راہ سے ہٹا کر شرک میں مبتلا کرنے اور دین حق سے پھیر کر گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔

۲۱۔ یعنی شیطان کی یلغار انسان پر ہر طرف سے ہوگی وہ انسان کو باطل افکار و خیالات سے متاثر کرنے، اسے برائی پر آمادہ کرنے اور دنیا میں فساد برپا کرنے پر اُبھارنے کے لئے ہر طرح کے جتن اور ہر قسم کی سازشیں کرے گا۔ گویا انسان کو شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے چوکھی لڑائی لڑنا ہوگی۔

۲۲۔ یہ جواب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیطان کے چیلنج کا کہ تو انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے پوری قوت لگا لیکن جو بھی تیری پیروی کرینگے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ان سب کو میں تجھ سمیت جہنم میں جھونک دوں گا۔

دنیا میں انسان کو چونکہ آزمائش کے لئے بھیجا جا رہا ہے اس لئے شیطان کو یہ موقع رہے گا کہ وہ انسان کو سبز باغ دکھائے اور انسان کو یہ آزادی رہے گی کہ جو لوگ اس کی باتوں میں آنا چاہتے ہیں آئیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ ان سب کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے اور وہ قیامت کے دن شیطان اور اس کی پیروی کرنے والے تمام انسانوں کو جہنم کی سزا دے کر رہے گا۔

۲۳۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۵۰۔ میں گزر چکی۔

۲۴۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۵۱۔ میں گزر چکی۔

۲۵۔ شیطان ابلیس کا دوسرا نام ہے جس کا ذکر اوپر ہوا اسے اگرچہ کہ جنت سے خارج کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ آدمؑ کا امتحان لینا تھا کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آتا ہے یا نہیں اس لئے شیطان کو وسوسہ اندازی کی ایسی قوت عطا کی گئی تھی کہ وہ جنت کے باہر رہ کر بھی آدمؑ سے ربط پیدا کر سکتا تھا۔ موجودہ دور میں جبکہ انسان خلا میں رہ کر زمین والوں سے بات چیت کر لیتا ہے اور ٹیلیویژن پر نمایاں ہو جاتا ہے تو شیطان کے جنت کے باہر سے آدمؑ کے لئے نمایاں ہو جانے یا پیام رسانی کرنے کا تصور کچھ مشکل نہیں اور شیطان کی یہ پیام رسانی بڑے خفیہ طریقہ پر ہوتی ہے لہٰذا اس کی پیام رسانی کے لئے صحیح لفظ وسوسہ اندازی ہی ہے۔

۲۶۔ جنت میں آدمؑ اور ان کی بیوی کو ایسی خلعت پہنائی گئی تھی کہ ان کو برہنگی کا کبھی احساس ہی نہیں ہوا لیکن شیطان کے بہکاوے میں آنے کے بعد خلعت ان سے اُتر گئی اور انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔

۲۷۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ شیطان کس طرح خیر خواہ بن کر آتا ہے اور کس طرح سبز باغ دکھاتا ہے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

۲۲ اس طرح وہ ان کو اپنے فریب میں لے آیا ۲۸؎۔ پھر جب انہوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان پر کھل گئیں ۲۹؎ اور وہ اپنے کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے ۳۰؎۔ اور ان کے رب نے انہیں پکارا ''کیا میں نے تمہیں اس درخت سے روکا نہ تھا اور یہ کہا نہ تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟''

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۖ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور اگر تو نے ہمیں نہیں بخشا اور رحم نہیں فرمایا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ۳۱؎

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

۲۴ فرمایا اُتر جاؤ ۳۲؎ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو ۳۳؎۔ اور تمہارے لئے ایک وقت خاص تک زمین میں ٹھکانا اور گذر بسر کا سامان ہے۔ ۳۴؎

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور فرمایا: اسی میں تم جیو گے، اسی میں مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔ ۳۵؎

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ اے اولادِ آدمؑ! ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے ۳۶؎ کہ تمہاری ستر پوشی بھی کرے اور زینت کا ذریعہ بھی ہو ۳۷؎۔ اور تقویٰ کا لباس تو بہترین لباس ہے ۳۸؎۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ یاددہانی حاصل کریں۔ ۳۹؎

يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ اے اولادِ آدمؑ! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکا دے ۴۰؎ جس طرح اس نے تمہارے والدین کو (بہکا کر) جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس اُتروا دیئے تھے تاکہ ان کے ستر انہیں دکھا دے ۴۱؎۔ وہ اور اس کا گروہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے ۴۲؎ ہم نے شیطانوں کو ان کا سرپرست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸ اور یہ لوگ جب بے حیائی کا کوئی کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ کہو اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ ۴۳؎

۲۸۔ آدمؑ اور حوّا سے جو گناہ سرزد ہوا وہ اس بات کا نتیجہ تھا کہ وہ شیطان کے فریب کا شکار ہو گئے بخلاف اس کے شیطان نے جو گناہ کیا تھا وہ تکبّر کی بنا پر کیا تھا۔

واضح رہے کہ قرآن کے اس بیان کے مطابق شیطان کے فریب کا شکار آدمؑ اور حوّا دونوں ہو گئے تھے اس لئے یہ جو مشہور ہے کہ شیطان نے حوّا کو ورغلایا اور حوّا نے آدمؑ کو درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی صحیح نہیں ہے۔

۲۹۔ یعنی جنت کا لباس ان سے اتر گیا اس لئے انہیں برہنگی کا احساس ہوا۔

۳۰۔ اس سے واضح ہوا کہ حیا انسان کا فطری وصف ہے اور ستر پوشی عین تقاضائے فطرت۔

۳۱۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۵۴۔

۳۲۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۵۵۔ میں گزر چکی۔

۳۳۔ یعنی انسان اور شیطان دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ شیطان کا دشمن انسان ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ رہا انسان کا دشمنِ شیطان ہونا! تو جو واقعہ تاریخ انسانی کے آغاز میں پیش آیا اس کے پیش نظر انسان کی حیثیت شیطان کے دشمن ہی کی متعین ہو جاتی ہے اسی لئے انسان اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق جبکہ اس نے انسان کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے وہی لوگ قائم کرتے ہیں جو دوست اور دشمن میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

۳۴۔ بنی نوع انسان کے لئے ٹھکانا زمین ہی کو بنایا گیا ہے اور انسانی زندگی کی تمام ضروریات کرۂ ارض ہی پر مہیا کر دی گئی ہیں۔ خلا میں یا کسی سیارہ پر انسان کا جانا ایک عارضی اور استثنائی بات ہے۔ انسانی آبادی کو قیامت تک کے لئے زمین ہی پر آباد ہونا ہے۔

۳۵۔ یعنی قیامت کے دن انسان کو جو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اسے زمین ہی کے اندر سے نکالا جائے گا اور یہی زمین میدان حشر بنے گی۔

۳۶۔ لباس جن چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے وہ اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہ صلاحیت جو اس کو تیار کرنے میں انسان لگاتا ہے وہ بھی اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔ اور چونکہ لباس انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا گراں قدر عطیہ اور فیضان رحمت ہے اس لئے اسے نازل کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

۳۷۔ یہاں لباس کے دو اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اپنے سَتر کو ڈھانکے اور دوسرے یہ کہ اس کے لئے باعثِ زینت ہو۔ اس سے اس مذہبی تصور کی بھی تردید ہوتی ہے جو برہنگی کو مذہبی تقدس کا درجہ دیتا ہے اور ہپی ازم جیسے افکار کی بھی جو انسان سے انسانیت کا لباس اتروا کر اسے حیوانیت کی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔

لباس کو اللہ تعالیٰ نے زینت کا ذریعہ بنایا ہے لہٰذا اچھا اور زیبائش والا لباس بشرطیکہ حدِّ اعتدال میں ہو ایک پسندیدہ چیز ہے۔ اس سے اس تشدد کی نفی ہوتی جو زہد میں غلو کرنے والوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔

۳۸۔ موقع کی مناسبت سے جسمانی لباس سے روحانی لباس کی طرف توجّہ مبذول کرائی گئی ہے کہ جس طرح ظاہری لباس انسان کے لئے باعث زینت ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھکر تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا لباس انسان کے باطن کو سنوارنے والا اور اس کو حقیقی جمال عطا کرنے والا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ تقویٰ کے لباس سے اپنے کو آراستہ کرے۔

۳۹۔ لباس فطرتِ انسانی کی مانگ ہے اور اس مانگ کو پورا کرنے کا سامان جس وافر پیمانہ پر اور جس عمدگی کے ساتھ کیا گیا ہے اس پر انسان غور کرے تو اسے صاف نظر آئے گا کہ اس کے خالق نے اسے حیوان نہیں بنایا ہے بلکہ انسان بنایا ہے اور اسے سنوار کر اور شائستہ بنا کر انسانیت کی بلند سطح پر رکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لباس میں بھی اپنی نشانی رکھی ہے تاکہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اپنے صحیح مقام سے آشنا ہو۔

۴۰۔ شیطان کے آدمؑ کو بہکانے کا جو قصہ اوپر بیان ہوا وہ ایک سچا واقعہ اور تاریخ انسانی کے وہ اوراق ہیں جو پردۂ غیب میں چھپے ہوئے تھے ان کو قرآن اس

لئے روشنی میں لایا تا کہ انسان اپنے ازلی دشمن شیطان کو پہچانے اور اس کی فتنہ انگیزی کی طرف سے ہوشیار رہے۔

قرآن شیطان (ابلیس) کا تعارف اس طور سے کراتا ہے کہ وہ شعور اور ارادہ رکھنے والی شخصیت ہے جس کا تعلق نوعِ جن سے ہے۔ وہ اللہ کی ایسی ہی بے بس مخلوق ہے جیسی دیگر تمام بے بس مخلوقات۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سرکش ہو گیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا اسے اس بات کا حسد ہو گیا تھا کہ آدمؑ کو اس پر برتری کیوں دی گئی اور اس حسد ہی کی وجہ سے وہ انسان کا ازلی دشمن بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ اس دنیا کے لئے یہ تھا کہ انسان کا خیر و شر کے معاملہ میں امتحان ہو اس لئے اس نے شیطان کے مہلت طلب کرنے پر اسے موقع دیا کہ وہ دنیا میں اپنی فتنہ سامانیاں کرتا رہے اور انسانوں میں سے جو لوگ اس کے بہکانے میں آنا چاہتے ہیں آجائیں البتہ اس کو یہ طاقت نہیں بخشی گئی ہے کہ وہ زبردستی کسی کو گمراہ کرے۔ اس کو شر پھیلانے کا جو موقع دیا گیا ہے وہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے ورنہ وہ اللہ کے قابو سے ہرگز باہر نہیں ہے اور قیامت کے دن اسے اللہ اس کے تمام لشکر اور اس کے تمام پیروؤں سمیت آتش جہنم میں جھونک دینے والا ہے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ شیطان کا کوئی شخصی وجود نہیں بلکہ یہ ایک تمثیل ہے جو شر سے بچنے کے لئے پیش کی گئی ہے اور نہ شیطان کو خدا کا مدمقابل سمجھنا صحیح ہے جیسا کہ آتش پرست سمجھتے ہیں اور جس کے لئے انھوں نے ''اہرمن'' کا نام تجویز کیا ہے اسی طرح شیطان کو شر کا دیوتا سمجھنا بھی صحیح نہیں جیسا کہ مشرکانہ مذاہب میں سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب تصورات خلاف حقیقت اور باطل ہیں۔

۴۱۔ آدمؑ اور حوّا ایک جوڑے کی حیثیت سے جنت میں رہتے تھے جہاں نہ رفع حاجت کا کوئی سوال تھا اور نہ توالد و تناسل کا، اس لئے جنت کے لباس کے ذریعہ ان کے ستر اس طرح چھپا کر رکھے گئے تھے کہ خود ان پر بھی ظاہر نہ ہو سکے تھے لیکن شیطان جب ان کو فریب دینے میں کامیاب ہو گیا اور ان سے گناہ سرزد ہو گیا تو ان کے ستر ان پر کھل گئے اور انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ یہ جنت سے نکلنا چونکہ شیطان کی فریب کاری کا نتیجہ تھا اس لئے اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شیطان نے دونوں کو جنت سے نکلوایا۔

۴۲۔ شیطان ایسا دشمن ہے جس کو انسان دیکھ نہیں پاتا مگر اس کا مشاہدہ میں نہ آنا اس کے وجود کی نفی نہیں کرتا جب کہ کائنات کا خالق اس کے وجود کی ہمیں خبر دے رہا ہے اور انسانی تاریخ میں خیر و شر کے جو معرکے گرم ہوتے رہے ہیں اور دنیا میں شر و فساد کی جو گرم بازاری ہے وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ایک غیر مرئی شر پسند طاقت انسانوں کو بہکانے اور انہیں شر و فساد پر اُبھارنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔

آج کتنی چیزیں ہیں جن کو خوردبین اور دوربین کی مدد سے دیکھا جانے لگا ہے لیکن ان آلات کے ایجاد ہونے سے پہلے انسان ان چیزوں کے وجود سے آشنا نہ تھا اس لئے کسی ایسی چیز کی نفی کرنا جو انسان کے تجربہ میں نہ آئی ہو کوئی معقول بات نہیں ہے جبکہ اس کے وجود کی اطلاع ہمیں باوثوق ذریعہ سے مل رہی ہو۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان اور اس کے گروہ کو جو نوعِ جن سے تعلق رکھتا ہے انسان دیکھ نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی استثنائی صورت پیدا کی ہو جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس نے پیدا کی تھی۔ لہٰذا شیطان یا جنوں کو دیکھنے کی کوشش کرنا فضول ہے نیز عام طور سے جو عجیب و غریب باتیں جنوں کو دیکھنے کے سلسلہ میں بیان کی جاتی ہیں وہ بھی لائق اعتبار نہیں۔

۴۳۔ اہل عرب خانۂ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے، مرد دن میں اور عورتیں رات میں برہنہ طواف کرتیں البتہ قریش اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس رسم کو مذہبی تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا تھا اس لئے کہ وہ اپنے مذہب کو جو ان کے باپ دادا سے چلا آرہا تھا اور جس میں اور گمراہیوں کے علاوہ برہنہ طواف کرنے کی بدعت بھی شامل ہو گئی تھی خدا کی طرف سے سمجھتے تھے۔ اور اس بدعت کے پیچھے یہ تصور کارفرما تھا کہ کپڑے دنیوی زینت ہیں اور طواف جیسی عبادت کو اس دنیوی آلائش سے پاک رکھنا چاہئے۔ اس طرح مذہب کا لبادہ اوڑھ کر وہ ایک شرمناک فعل کے مرتکب ہو رہے تھے کیونکہ فطرتِ سلیمہ برہنگی کو شرمناک فعل قرار دیتی ہے۔ رہا یہ دعویٰ کہ خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ خدا نے بے حیائی کا مظاہرہ کرنے کا

حکم دیا ہوگا۔اس لئے یہ دعویٰ علم پر نہیں بلکہ جہالت پر مبنی ہے۔

برہنگی کو مذہبی تقدس کا درجہ دینے والے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔سادھو سنیاسی لوگ ایک لنگوٹی پر اکتفا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ تو مادرزاد برہنہ رہ کر اپنی مذہبیّت کا مظاہرہ کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انسان جب شرک اور کفر کی راہ پر چل پڑتا ہے تو اس کی عقل ماری جاتی ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ کہو، میرے رب نے عدل کا حکم دیا ہے ۴۴؎ ۔اور یہ کہ اپنا رُخ (اس کی طرف) سیدھا رکھو ہر عبادت گاہ میں ۴۵؎ اور اسی کو پکارو دین (اطاعت) کو اس کے لئے خالص کر کے ۴۶؎۔جس طرح اس نے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی اسی طرح تم لوٹو گے۔

فَرِیْقًا هَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ ایک گروہ کو اس نے ہدایت دی اور دوسرے گروہ پر گمراہی مسلط ہوگئی۔انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق بنالیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ راہِ راست پر ہیں۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ اے اولاد آدمؑ! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے کو لباس سے آراستہ کرو ۴۷؎ ۔اور کھاؤ اور پیو ۴۸؎ ۔اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲ کہو کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟ ۴۹؎ کہو یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصۃً انہی کے لئے ہوں گی ۵۰؎ ۔اس طرح ہم اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں۔۵۱؎

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳ کہو میرے رب نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ تو یہ ہیں: بے حیائی کی باتیں خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی ۵۲؎ اور گناہ ۵۳؎ اور ناحق کی زیادتی ۵۴؎ اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کے لئے اس نے کوئی سند نہیں اتاری ۵۵؎ نیز یہ کہ اللہ کے نام سے ایسی بات کہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔۵۶؎

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ اور ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔پھر جب ان کا وقت آ گیا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے۔۵۷؎

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ اے اولاد آدمؑ! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں جو تمہیں میری آیتیں سنا رہے ہوں، تو جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اور اپنی اصلاح کرے گا تو ایسے لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔۵۸؎

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں تکبر کریں گے، وہ دوزخ والے ہیں۔ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے۔

۴۴؎ یہاں ''قِسط'' (عدل) کا لفظ وسیع معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ راستی، اعتدال، موزونیت اور انصاف اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسی شرمناک اور بیہودہ باتوں کا حکم نہیں دیتا کہ اس کی عبادت کے لئے آدمی برہنہ ہوجائے بلکہ اس کے احکام عدل پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ فطرت انسانی کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جاتا ہے۔ وہ ایسا کوئی حکم نہیں دیتا جو انسانی فطرت پر اور اس کی اخلاقی حیثیت پر ظلم ڈھانے والا ہو۔ اس کے احکام میں افراط وتفریط نہیں ہوتی بلکہ کمال درجہ کا اعتدال ہوتا ہے اور وہ انسانی زندگی کے لئے غایت درجہ موزوں ہوتے ہیں۔ اس نے ہر معاملہ میں راستی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے پھر انسان اندھا بن کر ان طور طریقوں کو کیوں اختیار کرتا ہے جو مذہب کے نام سے پیش کئے جاتے ہیں لیکن جن کے اخلاقی برائی ہونے کا پہلو اتنا واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی عقل وہوش رکھنے والا آدمی اس کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۴۵؎ یعنی عبادت میں تمہارا رُخ اللہ ہی کی طرف ہونا چاہئے خواہ تم مسجد حرام میں ہو یا کسی اور عبادت گاہ میں۔ غیر اللہ کی عبادت کا کوئی خیال تک دل میں نہیں آنا چاہئے۔

اللہ کی طرف اپنا رخ سیدھا رکھنے کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان اللہ کی براہ راست عبادت کرے اور کسی کو واسطہ اور وسیلہ قرار دیکر اس کی عبادت نہ کرے۔

۴۶؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بیّنہ نوٹ ۹؎۔

۴۷؎ یعنی خواہ مسجد حرام ہو یا کوئی اور مسجد اس میں حاضری لباس اُتار کر نہیں بلکہ لباس پہن کر ہونی چاہئے۔ کیونکہ خدا کے دربار میں حاضری کے لئے شائستگی ضروری ہے۔

۴۸؎ مقصود مذہب کے اس زاہدانہ، راہبانہ اور جوگیانہ تصور کی تردید کرنا ہے جو لباس اور کھانے پینے کے معاملہ میں انسان کو متشدّد بنا دیتا ہے گویا کہ یہ دنیا کی آلائشیں ہیں جن کو ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ پھر یہ تصوّر انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ کھانے پینے کی چیزیں موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے نفس کو مارے۔ بخلاف اس کے اسلام ان چیزوں کو اللہ کی نعمت قرار دیتا ہے جو انسان کے فائدہ ہی کیلئے پیدا کی گئی ہیں البتہ جیسا کہ آیت میں آگے ارشاد ہوا ہے اسراف سے بچنا چاہئے۔

۴۹؎ یہ سوال مذہب کے جوگیانہ تصور اور زہد پرستانہ ذہنیت پر ضرب کاری ہے۔

مطلب یہ ہے کہ لباس جیسی چیز جو انسان کو جمال عطا کرنے والی ہے اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں جو انسان کے لئے رزق کا سامان ہیں اس لئے پیدا کردی گئی ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے پھر کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ان چیزوں کو اس کے بندوں پر حرام قرار دے یا خدا اور مذہب کے نام پر ان کے استعمال کے سلسلہ میں اپنی طرف سے پابندیاں عائد کرے یہ آیت اس قسم کی تمام پابندیوں کو کالعدم قرار دیتی ہے۔

۵۰؎ یعنی گو دنیا میں یہ نعمتیں بندگانِ خدا کے لئے عام ہیں لیکن خدا کے وفادار بندوں (اہل ایمان) کو ان سے استفادہ کا حق بدرجۂ اولیٰ پہنچتا ہے۔ اور قیامت کے دن تو یہ نعمتیں ان ہی کا حصہ ہوں گی۔ کافر ان سے بالکل محروم رہیں گے۔

۵۱؎ یعنی ان احکام سے جو اتنی وضاحت کے ساتھ قرآن میں بیان کئے گئے ہیں عملاً رہنمائی وہی لوگ حاصل کرسکیں گے جو جہالت میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ جنہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اپنا سفرِ زندگی علم کی روشنی میں طے کرینگے۔

۵۲؎ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۱۷۷؎ میں گزر چکی۔

یہاں مذہب پرستوں کے اس رویّہ پر گرفت کی گئی ہے کہ جو اچھی اور پاک چیزیں اللہ نے حلال ٹھہرائی تھیں ان کو تم نے حرام ٹھہرالیا۔ لیکن جو بُری اور شرمناک باتیں اللہ نے حرام ٹھہرائی تھیں ان کو تم نے حلال ٹھہرالیا۔

۵۳۔ یعنی ہر قسم کی معصیت کے کام۔

۵۴۔ یعنی ظلم وزیادتی کے کام جو سراسر خلافِ حق ہیں اور جن کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔

۵۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۱۳۵۔

۵۶۔ یعنی خدا کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جس کے بارے میں نہیں معلوم کہ وہ واقعی خدا نے کہی ہے یا اس کا حکم دیا ہے۔ دین میں بدعتیں رائج کرنا، مذہب ایجاد کرنا اور من مانے طریقہ پر شریعت سازی کرنا سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

۵۷۔ یہاں امت سے مراد رسول کی امت ہے جیسا کہ سورۂ یونس آیت ۴۷۔ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

''ہر امت کیلئے ایک رسول ہے پھر جب رسول ان کے پاس آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ہرگز ناانصافی نہیں کی جاتی۔''

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی رسول کسی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے تو اس قوم کے لئے اللہ ایک مدت مقرر کر دیتا ہے کہ وہ اس مدت کے دوران رسول کی دعوت کو قبول کرے اور سرکشی سے باز آجائے لیکن اگر وہ قوم اس مدت کے دوران رسول کی دعوت کو قبول نہیں کرتی بلکہ کفر کا رویہ اختیار کرتی ہے تو پھر جوں ہی مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے اس دنیا ہی میں اسکو پکڑ لیا جاتا ہے اور یہ پکڑ اس طرح ٹھیک وقت پر ہوتی ہے کہ ایک لمحہ اِدھر اُدھر ہو نہیں پاتا۔

۵۸۔ یہ اس سبق کی یاددہانی ہے جو نوع انسانی کو آغاز میں دیا گیا تھا۔

یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے ہرگز نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوسکیں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے ۔ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ان کے لئے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی اسی کا ہوگا۔ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ اور ہم کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔وہ جنت والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(القرآن)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ پھر اس شخص سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ ایسے لوگ نوشتۂ الٰہی کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے ۵۹۔ یہاں تک کہ ہمارے فرستادے ان (کی روحوں) کو قبض کرنے کے لئے پہنچ جائیں گے، اس وقت وہ ان سے پوچھیں گے کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے کھوئے گئے اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دینگے کہ واقعی وہ کافر تھے۔ ۶۰

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸ حکم ہوگا، تم بھی ان امتوں کے ساتھ جو جنوں اور انسانوں کی تم سے پہلے گزر چکی ہیں آتش جہنم میں داخل ہوجاؤ۔ جب بھی کوئی امت اس میں داخل ہوگی اپنی ساتھی امت پر لعنت کرے گی ۶۱۔ یہاں تک کہ جب سب وہاں جمع ہوجائیں گے، تو پچھلی امت پہلی امت کے بارے میں کہے گی کہ اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔ ارشاد ہوگا ہر ایک کے لئے دوہرا عذاب ہے ۶۲۔ لیکن تم جانتے نہیں ہو۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ اور پہلی امت پچھلی امت سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوئی۔ لہٰذا تم بھی اپنی کمائی کے بدلہ میں عذاب کا مزا چکھو۔ ۶۳

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے ہرگز نہیں کھولے جائیں گے ۶۴۔ اور نہ وہ جنت میں داخل ہوسکیں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے ۶۵۔ ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ ان کے لئے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی اسی کا ہوگا۔ ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ اور ہم کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ۶۶۔ وہ جنت والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۵۹؎ یعنی جتنے دن اور جیسی زندگی ان کے تقدیر میں لکھی ہے پوری کریں گے۔

۶۰؎ یہ سوال و جواب موت کے فرشتوں اور روح کے درمیان ہوتا ہے اور مشرک کی روح اعتراف کر لیتی ہے کہ جن کو وہ خدا سمجھ کر پکارتا رہا ہے وہ سب جھوٹے خدا تھے۔ اور سچے خدا کا انکار کر کے اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ آنکھ بند ہوتے ہی غیبی حقیقتیں آشکارا ہونے لگتی ہیں۔

۶۱؎ دنیا میں گمراہ قومیں مذہب، کلچر، تہذیب اور دیگر معاملات میں اپنی پیشرو گمراہ قوموں کی تقلید کرتی رہی ہیں اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک گمراہ قوم اپنی معاصر قوموں کی امامت کرتی رہی ہے۔ تقلید کرنے والے اپنے پیشروؤں کے ساتھ اظہار عقیدت کرتے اور اپنے گمراہ پیشواؤں کو خراج تحسین پیش کرتے رہے ہیں لیکن قیامت کے دن جب جہنم میں سب اکٹھے ہو جائیں گے تو وہ اپنے پیشروؤں اور پیشواؤں پر لعنت کے ڈونگرے برسائیں گے کہ انہوں نے غلط مثالیں قائم کی تھیں جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔

۶۲؎ یعنی جو قوم بھی گمراہ ہوئی ہے اس نے دوسری قوموں اور آنے والی نسلوں کے لئے گمراہی کا سامان کیا ہے اس لئے ہر قوم دوہرے جرم کی مرتکب ہوئی ہے اور دوہری سزا کی مستحق ہے۔

۶۳؎ یعنی ہم نے اگر تمہارے لئے بُری مثال قائم کی تھی تو تم نے دوسروں کے لئے کونسی اچھی مثال قائم کی تھی کہ تمہارا جرم کم ہو ۔ اگر تم ہماری تقلید کر کے گمراہ ہوئے تو تمہاری تقلید کر کے دوسری قومیں گمراہ ہوئیں لہٰذا تمہارا جرم اپنی جگہ ہے اور اس کے نتائج کے تم خود ہی ذمہ دار ہو۔

۶۴؎ یعنی ان کے لئے بلندی نہیں بلکہ پستی مقدر ہے ان کے لئے ترقی کی ساری راہیں مسدود ہونگی۔ وہ نہ آسمانی دنیا میں داخل ہو سکیں گے اور نہ ان کو مقامِ قبولیت حاصل ہو سکے گا۔

۶۵؎ یعنی جس طرح سوئی کے ناکہ سے اونٹ کا گزرنا محال ہے اسی طرح ان کافروں اور متکبروں کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔

انجیل میں بھی اس سے ملتی جلتی بات بیان ہوئی ہے۔

''اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔''

(متی ۱۹: ۲۳، ۲۴)

اس بیان میں جنت کو ''خدا کی بادشاہی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۶۶؎ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۴۸۲؎ میں گزر چکی۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

۴۳ ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی وہ ہم نکال لیں گے ۶۷۔ ان کے تلے نہریں رواں ہوں گی۔ اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی ۶۸۔ اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے۔ اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ یہ ہے جنت جس کے تم اپنے اعمال کے بدلہ میں وارث بنائے گئے ہو۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴ۙ

۴۴ اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے سچا پایا پھر کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچا پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ جواب دیں گے، ہاں۔ اس وقت ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔ ۶۹۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝۴۵

۴۵ جو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے تھے ۷۰۔ اور آخرت کے منکر تھے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَي الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْٓا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝۴۶

۴۶ اور دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہوگی ۷۱۔ اور اَعراف (بلندیوں) پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی علامت سے پہچان لیں گے ۷۲۔ وہ جنت والوں کو پکار کر کہیں گے سلامتی ہو تم پر ۷۳۔ وہ ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے مگر اس کی امید رکھتے ہوں گے۔ ۷۴۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷

۴۷ اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھیر دی جائیں گی، تو کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کر۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۸

۴۸ اور اَعراف والے کچھ اشخاص کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ نہ تو تمہارے جتھے تمہارے کام آئے اور نہ وہ چیزیں جن پر تمہیں گھمنڈ تھا۔ ۷۵۔

اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝۴۹

۴۹ اور کیا یہ (اہل ایمان) وہی لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ انہیں اللہ کبھی اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا؟ (لیکن آج ان سے کہا گیا کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں۔ تمہارے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کسی طرح کا غم۔ ۷۶۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاۗءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ۙ

۵۰ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ دیدو۔ وہ جواب دیں گے کہ یہ چیزیں اللہ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ ۷۷۔

۶۷۔ یعنی اہل ایمان کے درمیان آپس میں جو رنجش رہی ہوگی وہ دور کردی جائے گی اور تلخیوں کے جو داغ ہوں گے وہ مٹادئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل پاک صاف کرکے ان کو جنت میں داخل کرے گا اس لئے وہ اپنے کو وہاں مخلص دوستوں کے درمیان پائیں گے۔

۶۸۔ اہل ایمان جنت میں داخل ہونے کے بعد اپنے عمل پر نازاں نہیں ہوں گے کہ ہم نے کارنامہ ہی ایسا دکھایا تھا کہ جنت کے ہم حقدار ہوئے بلکہ وہ اسے اللہ کا فضل اور احسان سمجھیں گے اور اس کا شکر ادا کریں گے کہ اس کی رہنمائی اور توفیق سے وہ اس قابل ہوئے کہ کامیابی کی منزل کو پہنچ سکیں۔

۶۹۔ جنت والوں کی دوزخ والوں سے گفتگو جبکہ دونوں کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہوگا یہ ظاہر کرتی ہے کہ عالم آخرت میں سماعت و بصارت کی قوتیں دنیا کے مقابلہ میں بدرجہا بڑھ کر ہونگی اور ذرائع ابلاغ بھی محدود نہیں ہونگے۔ یہ بات موجودہ سائنسی دور کے انسان کو تو ذرا بھی حیرت میں ڈالنے والی نہیں ہے کیونکہ وہ ٹیلیفون اور ٹیلیویژن کے ذریعہ ہزاروں میل کی دوری تک اپنی آواز اور اپنی تصویر منتقل کرسکتا ہے اور خلا میں پرواز کرنے والے انسان سے گفتگو کرسکتا ہے۔

۷۰۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران نوٹ ۱۲۵۔

۷۱۔ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک اوٹ ہوگی جو حدِّ فاصل کا کام دے گی۔ ایک طرف جنت کا عالم ہوگا تو دوسری طرف دوزخ کا عالم۔

۷۲۔ اس اوٹ کی بلندیوں سے جسے اعراف کہا گیا ہے کچھ لوگوں کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا جائیگا اور وہ ان لوگوں کو جن سے دنیا میں ان کو واسطہ رہا ہے۔ دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ فلاں۔ جنت اور جہنم میں جم غفیر کے باوجود مخصوص لوگوں کو پہچاننا اس لئے ممکن ہوگا کہ ہر جنتی اور ہر جہنمی کے لئے ایک مخصوص علامت ہوگی جو اس کی شخصیت کو ظاہر کررہی ہوگی۔

۷۳۔ اَعراف والے جب ان جنتیوں کو دیکھیں گے جن کو وہ دنیا میں جانتے پہچانتے تھے تو ان کو سلامتی کا پیغام دینگے۔ یہ گویا ان کی کامیابی پر اصحابِ اعراف کی طرف سے مبارکباد ہوگی۔

۷۴۔ یعنی اصحاب اعراف ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن اس کے امیدوار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو اہل جنت اور اہل دوزخ کا مشاہدہ کرانے کے بعد جنت میں داخل فرمائے گا۔

یہ اعراف والے کون لوگ ہوں گے اس کی صراحت قرآن نے نہیں کی لیکن سیاق کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں سے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا عمل اس درجہ کا نہیں ہوگا کہ جنت میں سبقت کرکے جائیں اس لئے ان کو جنتیوں اور دوزخیوں کا مشاہدہ کرانے کے بعد جنت میں داخل کردیا جائیگا۔

۷۵۔ یعنی دوزخیوں میں سے وہ ان لوگوں کو پہچان لیں گے جنہیں وہ دنیا میں جانتے پہچانتے تھے جنہیں دولت اور اقتدار وغیرہ پر گھمنڈ تھا اور ان کا یہ گھمنڈ دعوتِ حق قبول کرنے میں مانع ہوا۔ ایسے لوگوں کو ان کی مخصوص علامتوں سے پہچان لینے کے بعد وہ انہیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں جن پر تمہیں ناز تھا آج تمہارے کیا کام آئیں؟

معلوم ہوا کہ فرعون، ہامان، ابولہب، ابوجہل اور اس قماش کے دوسرے لیڈر اپنی مخصوص علامتوں کی وجہ سے جہنم میں پہچانے جائیں گے اور اصحاب اعراف جب ان کو یاد دلائیں گے کہ ان کا سرمایۂ افتخار ان کے کچھ کام نہ آیا تو اس سے ان کی ذلت و رسوائی میں اضافہ ہی ہوگا۔

۷۶۔ یعنی دنیا میں تم اہلِ ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ کی نظر میں بھی ان کی کوئی وقعت نہیں اور نہ اس کی رحمت میں یہ جگہ پانے والے ہیں لیکن آج آنکھیں کھول کر دیکھ لو کہ ان ہی لوگوں کو اللہ نے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اس اعزاز سے نوازا ہے کہ ''جنت میں داخل ہوجاؤ نہ تمہارے لئے رنج کا موقع ہے اور نہ غم کا۔''

۷۷۔ یعنی جنت میں کھانے پینے کی جو چیزیں مہیّا ہونگی ان سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو محروم کردیا ہوگا اس لئے کوئی چیز ان کو نہیں دی جاسکے گی۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنایا تھا ۷۸؎ اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ تو آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے ۷۹؎ جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲ اور ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس میں ہم نے علم کی بنیاد پر کھول کھول کر باتیں بیان کر دی ہیں ۸۰؎ ۔اور جو ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳ کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ اس کی حقیقت وقوع میں آجائے؟ جس دن اس کی حقیقت وقوع میں آئے گی تو وہ لوگ جو اسے پہلے بھلا بیٹھے تھے بول اٹھیں گے کہ بلاشبہ ہمارے رب کے رسول حق لیکر آئے تھے ۸۱؎۔ پھر کیا اب کوئی سفارشی ہیں جو ہماری سفارش کریں یا (ہے کوئی صورت کہ دنیا میں ہمیں) واپس بھیج دیا جائے تا کہ جو کام ہم کرتے رہے ہیں اس سے مختلف کام کریں۔ انہوں نے اپنے کو تباہی میں ڈالا اور جو باتیں وہ گھڑا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو گئیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴ بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ۸۲؎ پھر وہ عرش پر متمکن ہوا ۸۳؎۔ وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند اور ستارے پیدا کئے جو اس کے حکم سے مسخر ہیں ۸۴؎ ۔ یاد رکھو پیدا کرنا بھی اس کیلئے خاص ہے اور حکم دینا بھی۔ ۸۵؎ بڑا بابرکت ہے اللہ ۸۶؎، سارے جہانوں کا رب۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵ اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ ۸۷؎ وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۸۸؎

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو ۸۹؎ ۔اور اسی کو پکارو خوف اور امید کے ساتھ ۹۰؎۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷ وہی ہے جو اپنی رحمت ۹۱؎ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے۔ پھر جب وہ بوجھل بادل اٹھا لیتی ہیں تو ہم اسکو کسی مُردہ زمین کی طرف ہانک لیجاتے ہیں اور وہاں پانی برسا کر ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح ہم مُردوں کو زندہ کرتے ہیں تا کہ تم یاددہانی حاصل کرو۔

۷۸۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت ہے کہ کافروں کی حرکتیں دنیا میں یہ اور یہ رہی ہیں پھر وہ آخرت میں انعامات کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں۔

۷۹۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولتا نہیں ہے۔ یہاں جو فرمایا کہ ہم انہیں بھلا دیں گے تو اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا ان کو نظر انداز کرنا اور ان کی طرف سے نظر رحمت پھیر لینا ہے۔

۸۰۔ یعنی اس کتاب میں ہدایت کی تمام باتیں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں کہ جس پر ہدایت پانے کا انحصار ہو اور وہ مبہم، گنجلک اور الجھے ہوئے انداز میں پیش کی گئی ہو۔ پھر اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قیاسی اور خیالی باتیں بیان نہیں کی گئی ہیں بلکہ اس میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے قطعی علم کی بنیاد پر بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اس کا نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کا علم ٹھوس اور قطعی ہے۔

قرآن کی یہ خصوصیت اسے دنیا کی تمام کتابوں سے ممتاز کر دیتی ہے جو کائنات کی حقیقت اور انسان کے مقصدِ وجود کے بارے میں قیاس آرائیوں، نظری بحثوں اور فلسفیانہ تخیلات پر مبنی ہوتی ہیں۔

۸۱۔ یعنی قرآن جن باتوں کی خبر دے رہا ہے ان کو کیا یہ لوگ واقعات کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جس دن یہ باتیں واقعات کی صورت میں ظاہر ہوں گی اور حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آجائے گی تو یہی لوگ جو آج ان غیبی حقیقتوں کو نظر انداز کر رہے ہیں اس وقت ان کی حقانیت کو تسلیم کرنے لگیں گے مگر وہ وقت عمل کا نہیں بلکہ نتیجہ اور انجام کا ہوگا اس لئے اس وقت ان کا اعتراف ان کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔

۸۲۔ مراد خدائی دن ہیں کیونکہ ہمارے چوبیس گھنٹے والے دن کا وجود آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے نہیں تھا نیز قرآن کریم میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ (الحج۔۴۷)

ایک اور مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال بھی بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں ایسے موقع پر دن کا لفظ دور (Period) کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے اس لئے چھ دن سے مراد چھ دور ہیں جن کی مقدار اللہ ہی کو معلوم ہے۔

۸۳۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے کی کیفیت ہمارے علم و ادراک سے باہر ہے اس لئے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے اس پر بحث کرنے یا اس کی کوئی تاویل و توجیہ کرنے سے اجتناب کرنا عقیدہ کی سلامتی کے لئے ضروری ہے۔ امام مالک سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا : اللہ کا عرش پر مستوی (متمکن) ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت عقل کی گرفت میں آنے والی بات نہیں ہے، اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۴)

رہا یہ سوال کہ پھر اس کے ذکر سے قرآن کا مدعا کیا ہے تو اس کا مدعا سیاق کلام (Context) سے بالکل واضح ہے۔ یہاں اس حقیقت کو ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے بے تعلق نہیں ہوا بلکہ ساری مخلوق اس کی سلطنت قرار پائی اور وہ تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہو کر نظام کائنات کو چلانے لگا۔ اس کی حکومت تمام کائنات پر قائم ہے اور وہی اس پر کنٹرول کر رہا ہے اس کائنات کے انتظام میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ایک خدا ہی کے احکام آسمان سے لے کر زمین تک ہر جگہ اور ہر گوشہ میں نافذ ہوتے ہیں۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ کے عرش پر متمکن ہونے کا ذکر ہوا ہے لیکن اس کے متصلاً بعد تدبیر وغیرہ کا بھی ذکر ہے مثلاً سورۂ یونس آیت ۳ میں فرمایا:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ ''پھر وہ عرش پر متمکن ہوا اور تدبیرِ امر کر رہا ہے۔''

یعنی زمامِ اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی تمام کاموں کا انتظام کر رہا ہے۔ اس طرح سیاقِ کلام سے عرش پر متمکن ہونے کا ابتدائی مفہوم بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

۸۴۔ یعنی اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں جو ان کے سپرد کی گئی ہے۔

۸۵؎ یعنی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا اسی کی صفت ہے اور اس کی مخلوق پر اسی کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ اس کی سلطنت میں کسی اور کا حکم نہیں چلتا۔

۸۶؎ یعنی وہ بڑی خوبیوں والا ہے اور اس کے تمام کام باعث خیر و برکت ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ نہ سمجھو کہ اس کائنات کو پیدا کر کے اس نے شر کو وجود میں لایا ہے نہیں بلکہ اس نے بہت بڑے خیر کو وجود میں لایا ہے بالفاظ دیگر کائنات کی تخلیق کے پیچھے جو مقصد کارفرما ہے وہ نہایت عظیم اور سرتا سر خیر ہے۔

۸۷؎ یعنی جب اللہ ہی تمہارا رب ہے تو وہی تمہارا حاجت روا بھی ہے لہٰذا اسی کو پکارو اور اسی کے آگے عجز و نیاز کے نذرانے پیش کرو۔

اللہ کو پکارنے کا جو طریقہ شانِ بندگی کو پوری طرح ظاہر کرتا ہے وہ ہے اس کے حضور گڑگڑانا، اس لئے وہ جو کچھ اپنے رب سے مانگے گڑگڑا کر مانگے۔

دوسری ضروری بات اللہ کو خلوص کے ساتھ پکارنا ہے یعنی دعائیں ریا اور نمائش سے پاک ہوں۔ چپکے چپکے اللہ کو پکارنے کی صورت میں انسان ریا کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے اس لئے آہستہ آہستہ پکارنا اور چپکے چپکے دعائیں مانگنا بہتر ہے۔

۸۸؎ یعنی جو لوگ اللہ کے ساتھ اور معبودوں کو پکارنے لگتے ہیں یا خدا کا انکار کر کے سرے سے اس کو پکارتے ہی نہیں ہیں۔ پہلی چیز شرک ہے تو دوسری چیز الحاد اور دونوں ہی صورتیں حدِ بندگی سے تجاوز کرنے کی ہیں۔

۸۹؎ زمین سے مراد اہلِ زمین یعنی انسانی معاشرہ ہے۔ اور ''اس کی اصلاح کے بعد اس میں فساد برپا نہ کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرہ کو درست حالت میں پیدا کیا ہے چنانچہ وہ فطرۃً توحید ہی سے آشنا ہے اور خیر ہی کو پسند کرتا ہے۔ نیز اس کو درست حالت پر قائم رکھنے کے لئے وہ رسولوں کے ذریعہ توحید کی تعلیمات اور نظامِ عدل نازل فرماتا رہا ہے اس کے بعد انسانی سوسائٹی میں شرک اور شر پھیلانا اس کے بناؤ کو بگاڑ میں تبدیل کرنا ہے۔ مشرکین اور کفار اسی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۹۰؎ اللہ کو امید و بیم کے ساتھ پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے دل میں اسی کا خوف و اندیشہ رکھے اور اسی سے امیدیں وابستہ کرے اور جب اللہ کو پکارے یا دعا مانگے تو ان ملے جلے جذبات کے ساتھ مانگے۔

۹۱؎ رحمت سے مراد بارانِ رحمت ہے۔

۹۲؎ یعنی یہ مشاہدہ تو تم رات دن کرتے رہتے ہو کہ جو زمین مُردہ پڑی ہوئی تھی بارش کے ہوتے ہی اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور وہ اپنے خزانے اُگلنے لگی۔ جس خدا کی قدرت کا یہ کرشمہ تم دیکھتے رہتے ہو اس کے لئے مُردہ انسانوں کو زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ پھر قیامت کی جو خبر قرآن دے رہا ہے اس کو کیوں نہیں تسلیم کرتے؟

اور اچھی زمین سے اس کے رب کے حکم سے (خوب) پیداوار نکلتی ہے۔اور خراب زمین سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔اس طرح ہم اپنی نشانیاں مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو شکر کرنے والے ہیں۔ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک ہولناک دن کا عذاب تم پر مسلط نہ ہو جائے۔(القرآن)

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ اور اچھی زمین سے اس کے رب کے حکم سے (خوب) پیداوار نکلتی ہے ۔اور خراب زمین سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا ۹۳۔ اس طرح ہم اپنی نشانیاں مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو شکر کرنے والے ہیں۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾

۵۹ ہم نے نوح کو ۹۴۔ اس کی قوم کی طرف بھیجا ۹۵۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو ۹۶۔ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ۹۷۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک ہولناک دن ۹۸۔ کا عذاب تم پر مسلط نہ ہو جائے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٦٠﴾

۶۰ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا: ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ تم صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو۔ ۹۹۔

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾

۶۱ اس نے کہا: اے میری قوم! میں گمراہی میں نہیں پڑا ہوں بلکہ ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

۶۲ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ۱۰۰۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾

۶۳ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی یاددہانی تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعہ پہنچی ۱۰۱۔ تاکہ تمہیں خبردار کرے ۱۰۲۔ اور تم ڈرو اور تم پر رحم کیا جائے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾

۶۴ مگر انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے اس کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان کو غرق کر دیا ۱۰۳۔ بے شک وہ اندھے لوگ تھے۔ ۱۰۴۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾

۶۵ اور عاد کی طرف ۱۰۵۔ ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا ۱۰۶۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ ۱۰۷۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾

۶۶ اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا: ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم حماقت میں مبتلا ہو ۱۰۸۔ اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو۔

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾

۶۷ اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں حماقت میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾

۶۸ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا خیر خواہ ہوں دیانتدار۔ ۱۰۹۔

۹۳۔ بارش کی مثال سے زندگی بعد موت پر استدلال کرنے کے بعد اس کا ایک دوسرا سبق آموز پہلو سامنے لایا جارہا ہے۔ بارانِ رحمت کا فیض عام ہے لیکن وہی زمین سرسبز وشاداب ہوتی ہے جو زرخیز ہو۔ نکمی زمین اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتی۔ اسی طرح وحی کی صورت میں خدا کی جو رحمت نازل ہوتی ہے اس سے وہی لوگ فیضیاب ہوتے ہیں جن میں قبولِ حق کی استعداد ہوتی ہے لیکن جو لوگ قبولِ حق کی استعداد کھو چکے ہوتے ہیں وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ اسی حقیقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جس علم وہدایت کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ جب وہ زمین پر برسی تو اس نے پانی کو اپنے اندر جذب کرلیا اور اس پر بکثرت گھاس پھوس اُگ آئی اور اس کا جو حصّہ افتادہ تھا اس نے پانی کو روکے رکھا اس طرح اللہ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا، چنانچہ انہوں نے خود بھی پانی پیا اور دوسروں کو بھی پلایا۔ لیکن زمین کا جو خطہ چٹیل میدان تھا۔ اس پر جب بارش ہوئی تو نہ تو وہ پانی کو روک سکا نہ اس پر گھاس اُگ سکی، تو یہ (پہلی) مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کے دین کا فہم حاصل کیا اور اللہ نے اس علم وہدایت سے جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں انہیں فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ انہوں نے خود بھی (دین کا) علم حاصل کیا۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی اور یہ (دوسری) مثال ان لوگوں کی ہے، جنہوں نے اس علم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اور جس ہدایت کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔'' (مسلم کتاب الفضائل)

۹۴۔ یہاں انبیائی تاریخ کے ان حصّوں کو پیش کیا جارہا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ انسانوں کی ہدایت کے لئے رسول بھیجتا رہا ہے۔ ان رسولوں نے اللہ کی حجت اپنی اپنی قوموں پر قائم کی تھی اور جب انہوں نے ان کی رسالت کو ماننے سے انکار کیا اور اس پیغام کو قبول کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں ہوئیں جسے رسول پیش کررہے تھے تو اللہ کا قانونِ تعزیر حرکت میں آیا اور اس نے ان منکرین کو ایسی سزا دی کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں البتہ تاریخ کے اوراق پر نشانِ عبرت باقی رہ گئے۔

۹۵۔ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو اس ہدایت پر چھوڑا تھا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی لیکن جب ان کی نسل بڑھی اور اس نے ایک قوم یعنی انسانی سوسائٹی کی شکل اختیار کرلی تو رفتہ رفتہ وہ اس راہ ہدایت سے ہٹتی چلی گئی جس پر آدمؑ نے انہیں چھوڑا تھا نتیجہ یہ کہ ان میں زبردست گمراہی پیدا ہوگئی۔ ان کو اس گمراہی سے نکالنے اور ان پر ہدایت کی راہ کھول دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو رسول بنا کر ان کی طرف بھیجا۔ گویا حضرت نوح حضرت آدمؑ کے بعد پہلے رسول ہیں جو پہلی انسانی آبادی کی طرف بھیجے گئے۔

نوح علیہ السلام کا زمانہ چار یا پانچ ہزار سال قبل مسیح کا رہا ہوگا (اور صحیح علم اللہ ہی کو ہے)۔ قوم نوح کا مسکن دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان یعنی عراق کے شمالی علاقہ میں شہر موصل کے گردونواح میں تھا۔

۹۶۔ قوم کا لفظ یہاں انسانی برادری کے سادہ معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

۹۷۔ نوح کی قوم میں بت پرستی رائج ہوگئی تھی جس کی پشت پر یہ تصوّر تھا کہ اللہ کے سوا اور حاجت روا بھی ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی پرستش ضروری ہے۔ نوح علیہ السلام نے ان کو اس گمراہی سے نکالنے کی کوشش کی اور ان کے سامنے دعوت توحید پیش کی۔

۹۸۔ ہولناک دن (یوم عظیم) سے مراد نزولِ عذاب کا دن ہے۔

۹۹۔ نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کی مخالفت میں ان کی قوم کے سردار پیش پیش رہے۔ ان کی نظر میں نوح کا بتوں کی خدائی پر یقین نہ رکھنا بدعقیدگی تھی جس کو وہ گمراہی قرار دیتے تھے۔

۱۰۰۔ پیغمبر کو اللہ کی طرف سے ایک خاص ذریعۂ علم حاصل ہوتا ہے جو عام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا اس لئے غیب کی جو حقیقتیں اس پر منکشف ہوتی ہیں ان کی خبر وہ لوگوں کو دیتا ہے اور چونکہ اس خبر کی تصدیق دلائل سے ہوتی ہے نیز اس کی پشت پر پیغمبر کی پاکیزہ سیرت اور اس کی صداقت شعاری ہوتی ہے اس لئے وہ

غیب کی جو خبریں سناتا ہے اس میں شبہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ان کے ذریعہ انسان پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے۔

۱۰۱؎ حضرت نوح کی رسالت کے سلسلہ میں ان کی قوم اس شبہ کا اظہار کر رہی تھی کہ ان ہی جیسے ایک فرد کو اللہ نے کس طرح اپنا رسول بنایا ہوگا۔ اسی شبہ کا اظہار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں آپ کے مخالفین بھی کیا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ اعتراض نیا نہیں بلکہ ہزاروں سال پرانا ہے جو حضرت نوح کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔

۱۰۲؎ اس میں ان کے اعتراض کا جواب مضمر ہے کہ رسول کو بھیجنے سے مقصود کسی عجوبہ اور ''چمتکار'' کا اظہار نہیں ہے بلکہ غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو غلط عقائد و اعمال کے بُرے نتائج سے خبردار کرنا ہے اور اس کام کو انجام دینے کے لئے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ہی قرینِ مصلحت اور تقاضائے حکمت ہے۔

۱۰۳؎ یہ ایک فیصلہ کن عذاب تھا جس سے نوح علیہ السلام کی صداقت بھی ثابت ہوئی اور ان کی دعوت کی حقانیت بھی۔ کیونکہ یہ عذاب نوح علیہ السلام کی پیشگی انتباہ کے بعد آیا اور اس عذاب سے جو طوفان کی شکل میں آنے والا تھا بچنے کے لئے انہوں نے پہلے ہی سے ایک بہت بڑی کشتی تیار کر لی تھی نیز اس عذاب کی زد میں وہی لوگ آئے جنہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ ان پر ایمان لانے والا کوئی شخص بھی اس کی زد میں نہیں آیا۔ اگر یہ زمین پر رونما ہونے والے عام حادثات میں سے کوئی حادثہ ہوتا، تو نہ حضرت نوح کو اس کی پیشگی خبر ہو سکتی تھی اور نہ اس کی زد میں صرف کافر آ سکتے تھے۔ کیونکہ عام حادثات کی زد میں مؤمن اور کافر سبھی آتے ہیں لیکن کسی رسول کے اپنی قوم پر حجت تمام کرنے کے بعد جو عذاب آتا ہے اس کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی ہے اس لئے اس کو عام حادثات پر محمول کرنا واقعیت پسندی نہیں ہے۔

۱۰۴؎ یعنی وہ دل کے اندھے تھے۔

۱۰۵؎ عاد کا زمانہ اور اس کے مسکن وغیرہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فجر نوٹ ۸؎ تا ۱۱؎

۱۰۶؎ یعنی ہود قوم عاد ہی کے ایک فرد تھے۔

۱۰۷؎ یہ وہی دعوت تھی جو سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے پیش کی تھی۔

۱۰۸؎ بت پرستی عاد کا قومی مذہب تھا۔ اس لئے جب ہود علیہ السلام نے ان کو اس گمراہی سے نکالنے کی کوشش کی اور ان کے سامنے دعوتِ توحید پیش کی تو انہوں نے اس کو حماقت قرار دیا۔

۱۰۹؎ واضح ہوا کہ قوم کی اصل خیر خواہی یہی ہے کہ خدا کے پیغام کو بے کم و کاست اس کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کو قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔

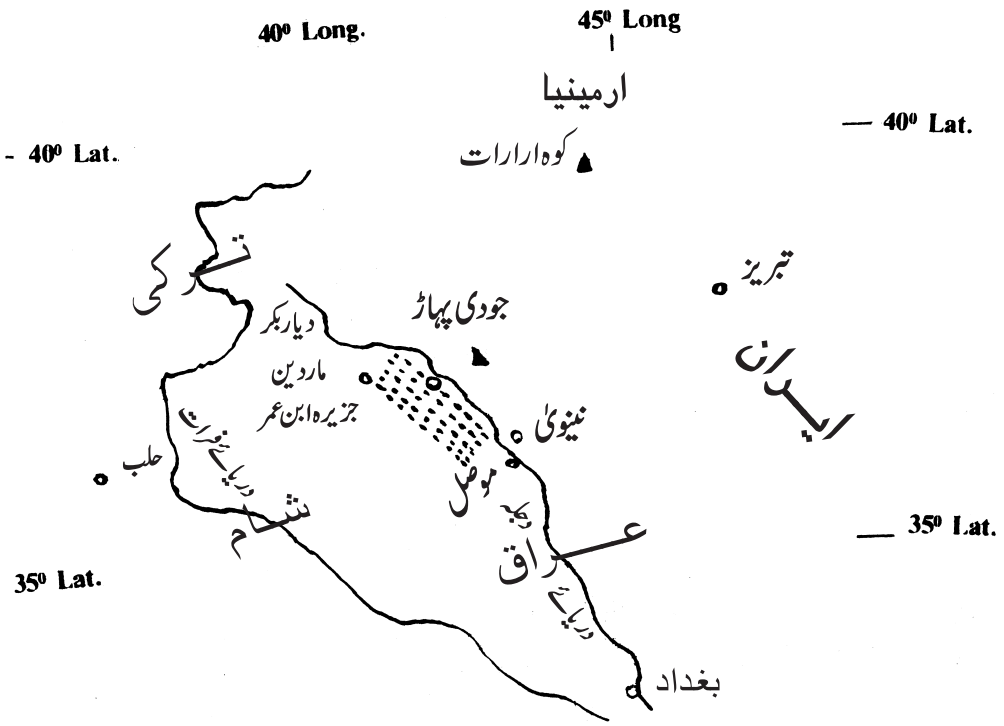

قوم نوح کا مسکن

شمالی عراق میں دجلہ کے کنارے

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی یاددہانی تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعہ آئی تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے؟ یاد کرو جبکہ اس نے قوم نوح کے بعد تم کو بااقتدار بنایا اور تمہیں زبردست جسمانی قوت عطا کی ۱۱۰؎۔ تو اللہ کے احسانات کو یاد رکھو تاکہ تم کامیاب ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾

۷۰ انہوں نے کہا: کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے؟ ۱۱۱؎ اگر تم سچے ہو تو لا دکھاؤ وہ عذاب جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱ اس نے کہا: تم پر تمہارے رب کی پھٹکار پڑ گئی اور غضب واقع ہوا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، جن کے لئے اللہ نے کوئی سند نہیں اُتاری ۱۱۲؎۔ اچھا تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ ۱۱۳؎

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲ پھر ہم نے ہود کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ایمان لانے والے نہ تھے۔ ۱۱۴؎

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

۷۳ اور ثمود ۱۱۵؎ کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا ۱۱۶؎ اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ۱۱۷؎۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ گئی ہے ۱۱۸؎۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے ۱۱۹؎۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔ اس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ، ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴ یاد کرو جبکہ اللہ نے عاد کے بعد تمہیں بااقتدار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ تم اس کے میدانوں میں محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو ۱۲۰؎۔ تو یاد رکھو اللہ کے احسانات کو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ ۱۲۱؎

۱۱۰؎ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو قوت و اقتدار عطا کیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ کے شکر گذار بندے بن کر رہتے مگر وہ اپنی قوت پر ناز کرنے لگے اور دعویٰ کرنے لگے کہ ہے کوئی ہم سے زیادہ طاقتور؟

(وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔ حم السجدہ۔۱۵)

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فجر نوٹ ۱۱؎۔

۱۱۱؎ قبولِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اندھی تقلید ہے۔ پیغمبر کی دعوت دلائل پر مبنی ہوتی ہے اور اس کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہوتی ہے مگر جو لوگ باپ دادا کے طور طریقوں کو اپنا قومی اثاثہ اور اصل کلچر سمجھتے ہیں وہ لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور جب وہ دلیل کی روشنی میں کوئی بات سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تو ان پر ہدایت کی راہ نہیں کھلتی۔

۱۱۲؎ یعنی یہ نام ہی نام ہیں جن کے پیچھے کوئی مسمّٰی نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر یہ فرضی معبود ہیں جن کا عالم واقعہ میں کوئی وجود نہیں۔ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن کو معبود بناتے ہیں، وہ ان کے محض فرضی خدا ہوتے ہیں۔ مگر یہ ذہنوں پر اس طرح مسلط ہو جاتے ہیں کہ آدمی حقیقت پسندی کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے پھر کوئی دلیل بھی اس کو متاثر نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے مشرکین بھی باوجود اس کے کہ علم کی راہیں کثرت سے کھل گئی ہیں فرضی خداؤں سے نجات حاصل نہیں کر سکے ہیں۔

۱۱۳؎ یعنی دلیل سے اگر تم ماننا نہیں چاہتے اور انجام ہی دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انجام کا انتظار کرتا ہوں۔

۱۱۴؎ یعنی ان کو ایسا تباہ کر دیا کہ نام و نشان تک باقی نہیں رہا قوم ہود کے اس انجام نے ہود کی صداقت اور ان کی دعوت کی حقانیت ثابت کر دی۔

۱۱۵؎ ثمود کے زمانہ اور اس کے مسکن کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فجر نوٹ ۱۲؎ اور ۱۳؎۔

۱۱۶؎ یعنی صالح کو پیغمبر بنا کر قوم ثمود کی طرف بھیجا جو اس قوم ہی کے ایک فرد تھے۔

۱۱۷؎ قومِ ثمود بھی ایک بت پرست قوم تھی اس لئے حضرت صالح نے متعدد خداؤں اور معبودوں کے تصوّر کو باطل قرار دیتے ہوئے ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی۔

۱۱۸؎ یعنی حضرت صالح کی سیرت اور ان کی دعوت اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے پیغمبر مقرر کئے گئے ہیں۔

۱۱۹؎ اونٹنی کا ظہور ایک نشانی کے طور پر ہوا تھا اس لئے وہ ضرور ایک غیر معمولی قسم کی اونٹنی رہی ہوگی اور ہر دوسرا دن جو اس کے پانی پینے کی باری کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی اونٹنی تھی جو بڑی مقدار میں پانی پی لیتی تھی۔ اونٹنی کا یہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود کے مطالبہ پر پیش کیا تھا اس لئے وہ ان کے لئے زبردست آزمائش بن گیا تھا۔ اونٹنی کے معجزہ کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیل نہ قرآن نے بیان کی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہے اس لئے کمزور روایتوں کا سہارا لئے بغیر ہمیں قرآن کے بیان پر اکتفا کرنا چاہئے۔

۱۲۰؎ ثمود کو فنِ تعمیر میں بڑی مہارت تھی۔ میدانوں میں وہ شاندار محل تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے۔ تعمیر کا یہ کام ایک حد تک تو رہائش کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تھا اس لئے ان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس کے عطا کردہ وسائل اور اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کی بنا پر وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے لئے محفوظ مکانات تعمیر کر سکیں لیکن ان کے اندر بجائے شکر کے تکبّر کا جذبہ پیدا ہو گیا اور تعمیر حیات کے بجائے تعمیر محل کا شوق ابھرا، پھر وہ شاندار عمارتیں اور یادگاریں تعمیر کرنے کو اپنا اصل کارنامہ سمجھنے لگے۔ ان کے یہ کارنامے آج بھی کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں اور دعوت دے رہے ہیں کہ ع

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

۱۲۱؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کے عطا کردہ اقتدار کا غلط استعمال اور اس کی بخشی ہوئی تعمیری صلاحیتوں کا بیجا اور نمائشی مصرف انسانی سوسائٹی میں بگاڑ کا موجب ہے اور اس سے ایک فاسد تمدن پیدا ہوتا ہے۔

آثارِ ثمود

پہاڑ کو تراش کر بنائی ہوئی ایک عمارت

(۰۰ وتنحون الجبال بيوتا ۰۰) تماما كما ذكر في القرآن الكريم حول قصة قوم ثمود ، ولا زالت بيوتهم كما نراها في هذه الصورة ناطقه بتصديق آيات القرآن الكريم رغم مضي آلاف السنين ۰۰

قوم لوط اور قوم شعیب کے مسکن

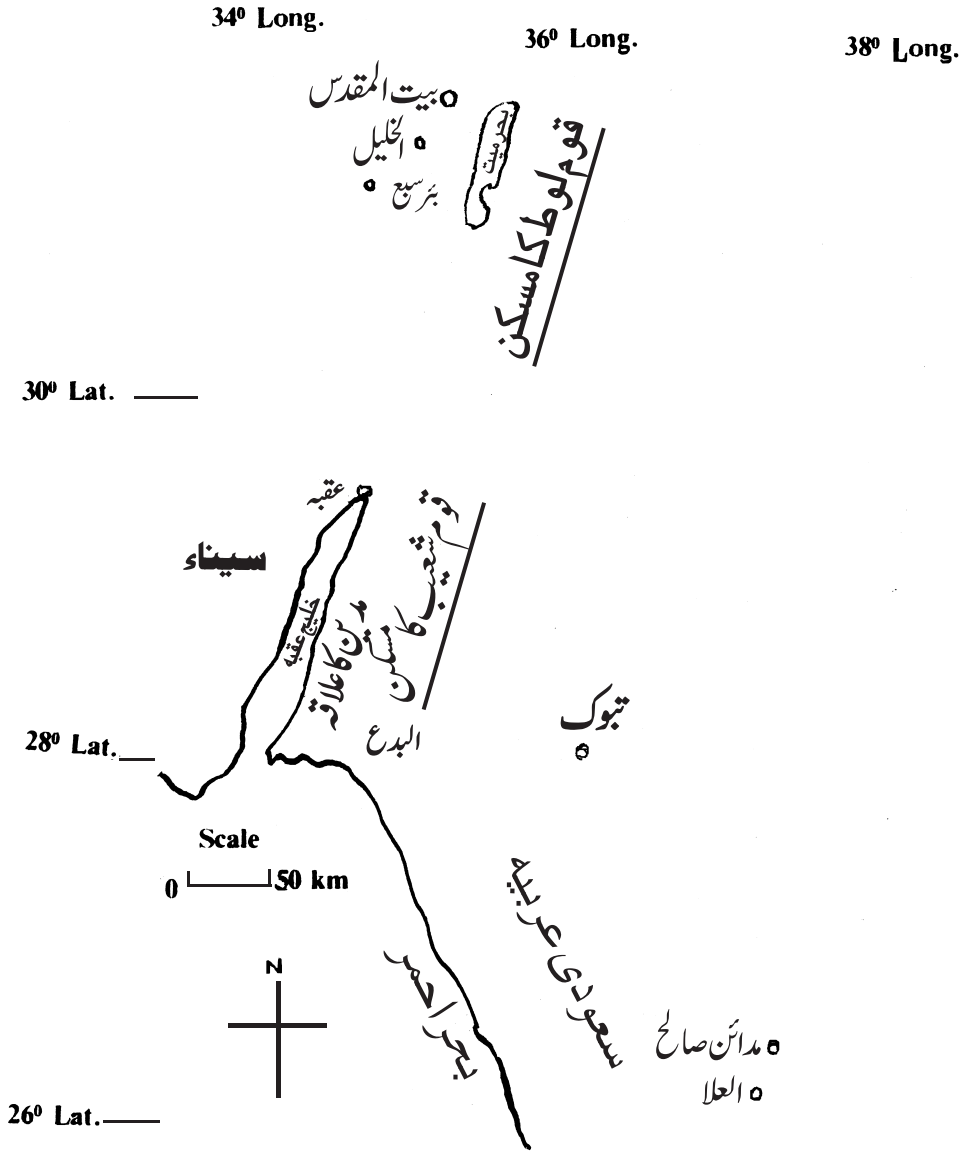

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵ اس کی قوم کے سرداروں نے جو گھمنڈ میں مبتلا تھے کمزور لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے تھے کہا کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا بھیجا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جس پیغام کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

۷۶ جو لوگ بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے انہوں نے کہا: جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷ پھر انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں ۱۲۲؎ اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور کہا اے صالح! لے آؤ وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم واقعی پیغمبر ہو۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸ بالآخر انہیں ایک لرزا دینے والی آفت نے آلیا ۱۲۳؎ اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ۱۲۴؎

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹ اور وہ ان کو چھوڑ کر یہ کہتا ہوا نکل گیا ۱۲۵؎ کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ ۱۲۶؎

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰ اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا ۱۲۷؎۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا ۱۲۸؎: کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟ ۱۲۹؎

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے ہو! تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ ۱۳۰؎

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲ تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان کو بستی سے، بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ ۱۳۱؎

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳ بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی، کہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ ۱۳۲؎

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴ اور ان پر ایک خاص طرح کی بارش برسائی ۱۳۳؎۔ تو دیکھو مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿۸۵﴾

۸۵ اور مدین کی طرف ۱۳۴؎ ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا ۱۳۵؎ اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح حجت آ گئی ہے ۱۳۶؎۔ لہٰذا ناپ تول پوری کیا کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو ۱۳۷؎ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو ۱۳۸؎۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ ۱۳۹؎

۱۲۲؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ شمس نوٹ ۱۵؎۔

۱۲۳؎ مراد شدت کی کڑک ہے جس نے لرزہ اور کپکپی طاری کر دی۔ قرآن میں دوسرے مقام پر اس عذاب کے لئے صاعقہ (کڑک) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۱۲۴؎ اس لرزا دینے والی آفت نے انہیں اوندھے منہ گرا دیا اور پھر اسی حال میں وہ ہلاک ہو گئے۔

۱۲۵؎ یعنی صالح علیہ السلام عذاب آنے سے پہلے اس بستی سے نکل گئے۔

۱۲۶؎ کس قدر درد بھرے کلمات ہیں جو قوم سے رخصت ہوتے وقت صالح علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔

اس سے بڑھ کر ایک قوم کی خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو راہِ حق دکھائی جائے اور غلط راہِ عمل کے انجام سے اسے باخبر کر دیا جائے۔ مگر قوموں کے نزدیک خیر خواہی اور وفاداری کا معیار قومی دھارے میں شمولیت ہوتی ہے خواہ یہ قومی دھارا جہنم ہی میں جا کر کیوں نہ گرتا ہو۔

۱۲۷؎ لوط کا زمانہ حضرت ابراہیم کا زمانہ ہے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے اور عراق سے آپ کے ساتھ ہجرت کر کے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ سدوم کا علاقہ بحرِ میت (Dead Sea) کے کنارے تھا۔ جو دریائے اردن کی جانب واقع ہے۔ بائبل میں حضرت لوط، سدوم اور عمورہ کی بستیوں کا ذکر ہے۔ (پیدائش باب ۱۴ اور ۱۹)

۱۲۸؎ لوط سدوم کی قوم میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ انہوں نے وہیں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اور وہاں کی زبان کو بھی اپنا لیا تھا اس لئے اس قوم کو لوط کی طرف منسوب کیا گیا کہ وہ گویا ان کی اپنی قوم تھی۔

۱۲۹؎ قوم لوط ایک گھناؤنے مرض میں مبتلا تھی اور وہ تھا مردوں کا مردوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنا (Homo Sexuality) اس بداخلاقی نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی تھی اور یہ پہلی قوم ہے جس نے بے حیائی کی یہ بدترین مثال دنیا میں قائم کی۔

معلوم ہوتا ہے یہ قوم بت پرست نہیں تھی بلکہ خدا سے بے خوف ہو کر خباثت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس لئے حضرت لوط نے سب سے پہلے اس برائی کے خلاف آواز اٹھائی تاہم اصولی طور سے ان کی دعوت بھی وہی تھی۔ جو دیگر انبیاء علیہم السلام کی رہی ہے چنانچہ سورۂ شعراء میں صراحت ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے اور رسول کی اطاعت کرنے کی دعوت دی تھی فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' (الشعراء۔ ۱۶۳)

۱۳۰؎ یعنی اخلاق فطرت اور دین سب کے حدود کو پھاند کر تم اپنی خواہشات کے غلام بن گئے ہو۔

۱۳۱؎ یہ مذاق تھا جو یہ لوگ حضرت لوط اور ان کے ساتھیوں کا اڑا رہے تھے۔ وہ گندگی میں ایسے لت پت ہو گئے تھے کہ کسی شخص کو بھی پاکیزہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ حضرت لوط کی دعوت کو جو سرتاسر پاکیزگیٔ نفس اور پاکیزگیٔ کردار کی دعوت تھی، کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔

۱۳۲؎ لوط کی بیوی نے کافروں کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے وہ بھی عذاب کی زد میں آ گئی۔ حضرت لوط جب اپنے متعلقین کے ساتھ اس بستی سے نکلے تو وہ ان کے ساتھ نہیں نکلی بلکہ اس بستی ہی میں رہ گئی اسلئے جب عذاب آیا تو وہ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر سے رشتہ حتی کہ زوجیت کا تعلق بھی اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ اس کے عذاب سے بچانے والی چیز پیغمبر کی پیروی ہے نہ کہ اس سے رشتہ داری کا تعلق۔

۱۳۳؎ قوم لوط پر جو عذاب آیا اسکی تفصیل سورۂ ہود (آیت۔ ۸۲) اور دیگر سورتوں میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں اسے ایک خاص قسم کی بارش سے تعبیر کیا گیا ہے مراد پتھروں کی بارش ہے۔

۱۳۴؎ مدین قبیلہ کا بھی نام ہے اور علاقہ کا بھی۔ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا۔ جو آپ کی تیسری بیوی قطورہ سے پیدا ہوا تھا۔ بائبل میں ہے ''اور ابراہیم نے پھر ایک اور بیوی کی جسکا نام قطورہ تھا اور اس سے ------ مدیان اور ------ پیدا ہوئے۔'' (پیدائش ۲۵:۱) علاقہ کا نام اس قبیلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بقیہ صفحہ ۴۶۳ پر

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۚ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶ اور راستوں پر اس غرض سے جا نہ بیٹھو کہ (لوگوں کو) دہشت زدہ کرنے ۱۴۰؎۔ اہلِ ایمان کو اللہ کی راہ سے روکنے اور اس میں کجی پیدا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو اس نے تمہاری تعداد بڑھائی ۱۴۱؎۔ اور یہ بھی دیکھ لو کہ فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پیغام پر ایمان لایا جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا ہے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

۱۴۰؎ معلوم ہوتا ہے مدین کے لوگ جرائم پیشہ تھے۔ وہ راستوں پر مسافروں کی تاک میں بیٹھتے اور جب کوئی راہ گیر یا قافلہ گزرتا تو اسے ڈرا دھمکا کر لوٹ لیتے۔

۱۴۱؎ یعنی مدین کا خاندان ابتداء میں ایک مختصر خاندان تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی افرادی قوت اس طرح بڑھا دی کہ اس نے ایک بڑے قبیلہ اور ایک قوم کی حیثیت اختیار کر لی لیکن بجائے اس کے کہ وہ لوگ اس نعمت خداوندی پر شکر گزار ہوتے انہوں نے ناشکری کو اپنا شیوہ بنا لیا۔

بقیہ صفحہ ۴۶۱ سے آگے

مدین کا مسکن بحر احمر کے کنارے عرب کے شمال مغرب میں تھا۔ اس کا زمانہ تقریباً ۱۶۰۰ ق۔م یعنی حضرت موسیٰ کی بعثت سے قبل کا ہے۔

۱۳۵؎ حضرت شعیب قوم مدین کے فرد تھے انہیں اللہ نے رسول بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

۱۳۶؎ پیغمبر اپنی سیرت کے اعتبار سے نہایت بلند مقام پر ہوتا ہے اور جب وہ اللہ کے پیغام کو جو اس پر وحی کے ذریعہ نازل ہوتا ہے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا وجود اللہ کی حجت بن کر ان کے سامنے آجاتا ہے اور اسے پہچاننے میں ان لوگوں کو کوئی دقت نہیں ہوتی جو اپنی فطرت سلیمہ پر قائم ہوتے ہیں۔

۱۳۷؎ مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی جس میں بد دیانتی عام تھی۔ وہ پُر فریب طریقہ سے پیمانے گھٹاتے اور خریداروں کو اشیاء کم مقدار میں دیتے۔ ناپ تول میں کمی ایک زبردست گناہ ہے جس کی سنگینی کا اندازہ سورۂ مطففین کی ابتدائی آیات کے مطالعہ سے ہوگا۔

۱۳۸؎ اس کی تشریح نوٹ ۸۹؎ میں گزر چکی۔

۱۳۹؎ یعنی اگر تم ایمان لاؤ تو تمہیں صاف دکھائی دے گا کہ معاملات زندگی میں جس رویّہ کو اختیار کرنے کی تمہیں ہدایت کی جا رہی ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾

۸۸ اس کی قوم کے سرداروں نے جو گھمنڈ میں مبتلا ۱۴۲ تھے کہا اے شعیب ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا پھر تم لوگوں کو ہمارے دین میں لوٹ آنا ہوگا۔ اس نے کہا کیا اس صورت میں بھی جبکہ ہم تمہارے دین سے بیزار ہوں؟ ۱۴۳

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

۸۹ ہم اللہ پر جھوٹ گڑھنے والے ہوں گے اگر تمہارے دین میں لوٹ آئیں، جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے ۱۴۴۔ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ اس میں واپس جائیں اِلّا یہ کہ اللہ ہمارا رب ہی چاہے ۱۴۵۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

۹۰ اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے (لوگوں سے) کہنے لگے: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔ ۱۴۶

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

۹۱ بالآخر ان کو لرزا دینے والی آفت نے آلیا ۱۴۷ اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

۹۲ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا ان کا حال یہ ہوا کہ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ شعیب کو جھٹلانے والے ہی برباد ہو کر رہے۔ ۱۴۸

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳ اور شعیب یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل گیا ۱۴۹ کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دئے اور تمہاری خیر خواہی کی۔ اب میں اس قوم پر کیسے افسوس کروں جو کافر ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴ اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو تنگی اور تکلیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی کریں۔ ۱۵۰

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

۹۵ پھر ہم نے بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ تکلیف اور راحت تو ہمارے باپ دادا کو بھی پہنچتی رہی ہے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور وہ بالکل بے خبر تھے۔ ۱۵۱

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶ اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے۔ ۱۵۲ لیکن انہوں نے جھٹلایا اس لئے ہم نے ان کی کمائی کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

۹۷ پھر کیا بستیوں کے لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب رات کے وقت آجائے جبکہ وہ سوئے پڑے ہوں؟

۱۴۲؎ دولت ہو یا جاہ و اقتدار انسان میں بُرائی اور گھمنڈ کی نفسیات پیدا کرتے ہیں، پھر وہ حق کو بے وقعت اور اس پر لبیک کہنے والوں کو حقیر خیال کرنے لگتا ہے۔ ماضی میں جس طرح کسی قوم کے سرداروں کی یہ نفسیات رہی ہیں اس طرح کی نفسیات موجودہ زمانہ کے لیڈروں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

۱۴۳؎ یعنی یہ جبر کس لئے؟ کیا محض اس لئے کہ وہ تمہارا قومی مذہب ہے؟ اگر کوئی شخص اپنی قوم کے مذہب کو باطل سمجھتا ہو اور اس کے ساتھ وابستہ رہنا نہ چاہتا ہو تو کیا اسے اس دھرم میں رہنے کے لئے مجبور کیا جائے گا؟ اگر ایسا کیا جائے تو ضمیر کی آزادی کہاں باقی رہے گی جو انسان کا فطری حق ہے اور اعتقاد کے معاملہ میں جبر عقل کی ترازو میں کیا وزن رکھتا ہے؟

۱۴۴؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت شعیب پہلے مشرکانہ مذہب پر تھے اور بعد میں اس سے نجات پا کر اسلام میں آئے بلکہ یہ بات انہوں نے اپنے ان ساتھیوں کے پیشِ نظر فرمائی جو مشرکانہ مذہب کو ترک کر کے حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے تھے کیونکہ جہاں تک ایک نبی کا تعلق ہے وہ قبل نبوت بھی دین فطرت پر ہوتا ہے۔ اور شرک سے اس کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوتا۔

۱۴۵؎ یعنی ہمارا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ دین توحید کو ہم کسی بھی قیمت پر چھوڑیں گے نہیں لیکن ہم بھروسہ اپنے نفس پر نہیں بلکہ اللہ ہی پر کرتے ہیں۔ کیونکہ کفر و ایمان کی کشمکش میں ایمان پر استقامت اللہ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔

۱۴۶؎ یعنی تمہاری دنیا تباہ ہو جائے گی۔

دنیا پرست ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور سچائی اور پاکیزگی کی زندگی گذارنے کو مادی ترقی میں رکاوٹ اور دنیوی خسارہ کا باعث خیال کرتے رہے ہیں۔

۱۴۷؎ دوسری جگہ اسے ''صیحۃ'' (ہولناک آواز، دھماکہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے بجلی شدید چنگھاڑ کے ساتھ ان پر گر گئی تھی اور اس نے ان کو ایسا لرزا دیا کہ وہ اوندھے منہ زمین پر گر گئے اور ایسے گرے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔

۱۴۸؎ انہوں نے کہا تھا کہ شعیب کی اتباع کرنے والے تباہ ہو جائیں گے لیکن تباہ وہ خود ہوئے۔ یہ عذاب جو قوم شعیب پر آیا اس کی لپیٹ میں صرف وہ لوگ آئے جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا اور اللہ کے پیغام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

۱۴۹؎ حضرت شعیب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے وقت سے پیشگی مطلع کر دیا تھا اس لئے وہ اپنے مؤمن ساتھیوں کو لیکر عذاب آنے سے پہلے ہی اس بستی سے نکل گئے تھے اور نکلتے وقت انہوں نے نہایت حسرت بھرے کلمات اپنی قوم سے کہے تھے۔

۱۵۰؎ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۷۲؎ میں گزر چکی۔

۱۵۱؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۷۴؎۔

۱۵۲؎ معاشی خوشحالی کا انحصار پیداوار کی کثرت پر ہے۔ اور پیداوار کی کثرت کے لئے بارش اور آب و ہوا کا سازگار ہونا ضروری ہے۔ یہ سازگاری انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ اللہ ہی کے ارادہ پر موقوف ہے۔ اگر کسی علاقہ یا کسی ملک کے لوگ اجتماعی طور پر ایمان لا کر اللہ سے وفاداری کا تعلق پیدا کریں اور اس سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمان و زمین کو سازگار بنائے گا۔ اور پیداوار کی کثرت کے نتیجہ میں ان کو معاشی خوشحالی میسر آئے گی۔ اور یہ خوشحالی چونکہ خیر و برکت کے خزانوں کو لئے ہوئے ہوگی اس لئے اُس خوشحالی سے بالکل مختلف ہوگی جو کافروں کو وقتی طور سے میسّر آجاتی ہے اور جس کا مقصد ان کو ڈھیل دینا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنا پیمانہ بھر لیں۔

واضح ہوا کہ دنیا کی حقیقی خوشحالی کا راز مادہ پرستی میں نہیں بلکہ خدا پرستی میں مضمر ہے۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

۹۸ یا بستیوں کے لوگ اس بات کی طرف سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب دن دھاڑے آنا زل ہو جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

۹۹ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں ۱۵۳؎؟ اللہ کی تدبیر سے تو وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو تباہ ہونے والے ہوں۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ کیا ان لوگوں کو جو زمین کے اگلے باشندوں کے بعد اس کے وارث ہوتے ہیں یہ سبق نہیں ملا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیں ۱۵۴؎؟ مگر ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ۱۵۵؎ اس لئے وہ کچھ نہیں سنتے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ یہ بستیاں ہیں جن کے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے تھے مگر چونکہ وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس لئے ایمان لانے والے نہ تھے ۱۵۶؎۔ اس طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ اور ہم نے ان میں سے اکثر میں وفائے عہد نہ پایا۔ ۱۵۷؎ اور ہم نے اکثر کو فاسق ہی پایا۔ ۱۵۸؎

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون ۱۵۹؎ اور اس کے امراء کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، تو دیکھو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔ ۱۶۰؎

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ میرا فرض (منصبی) ہے کہ اللہ کے نام سے کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں۔ میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لیکر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دے۔ ۱۶۱؎

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ اس نے کہا: اگر تو کوئی نشانی لیکر آیا ہے ۱۶۲؎ اور سچا ہے تو اسے پیش کر۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ موسیٰ نے اپنا عصا ڈالدیا تو یکا یک وہ ایک نمایاں اژدہا تھا۔ ۱۶۳؎

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ اور اپنا ہاتھ نکالا تو دیکھنے والوں کے لئے وہ چمک رہا تھا۔ ۱۶۴؎

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ فرعون کی قوم کے سردار کہنے لگے: یقیناً یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰ تمہیں تمہارے ملک سے باہر نکالنا چاہتا ہے ۱۶۵؎۔ تو تمہاری کیا رائے ہے؟

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

۱۱۱ انہوں نے (فرعون سے) کہا: موسیٰ اور اس کے بھائی کو ابھی چھوڑ دے اور شہروں میں نقیب روانہ کر دے۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

۱۱۲ کہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے تیرے پاس لے آئیں۔

۱۵۳؎ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا عذاب کسی قوم پر ایسے وقت آ سکتا ہے جبکہ بظاہر عذاب کے آثار دکھائی نہ دیتے ہوں اور لوگ اپنی دنیا بنانے میں ایسے منہمک ہوں کہ کسی آفت کا نزول ان کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو، لیکن خدا کا مخفی ہاتھ اس قوم کے خلاف کام کر رہا ہو اور وہ اس کی تباہی کے اسباب اس طرح کر دے کہ اسے محسوس بھی نہ ہو کہ اس کی تباہی کے دن قریب آ گئے ہیں۔ اسی کو اللہ کی مخفی تدبیر کہا گیا ہے۔

۱۵۴؎ یعنی بعد میں آنے والی قومیں اپنی پیش رو قوموں کے زوال سے کافی سبق لے سکتی ہیں جو قوم بھی تباہ ہوئی ہے اس نے اپنے پیچھے تباہی کے اسباب چھوڑے ہیں جن کا تعلق اعتقادی اور اخلاقی بگاڑ سے ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں آنے والی قومیں واقعات کو اپنی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش نہیں کرتیں بلکہ ان کی غلط توجیہیں کرنے لگتی ہیں۔

۱۵۵؎ دلوں پر مہر لگانے کا مطلب سورۂ بقرہ نوٹ ۱۵؎ میں واضح کیا جا چکا ہے۔

۱۵۶؎ آدمی جب پہلی مرتبہ تعصب یا گھمنڈ کی وجہ سے حق کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کی نفسیات ایسی بن جاتی ہیں کہ پھر اس کو قبول کرنا اس کے لئے آسان نہیں رہتا۔

۱۵۷؎ عہد سے مراد عہد فطرت بھی ہے اور وہ عہد بھی جو انسان مصیبت میں اپنے رب کو پکار کر کرتا ہے۔

۱۵۸؎ فاسق یعنی اپنی فطرت سے انحراف کرنے والا اخلاقی حدود کو پھاندنے والا اور اپنے رب کا نافرمان۔

۱۵۹؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نازعات نوٹ ۱۳؎

۱۶۰؎ یہاں اس واقعہ کو بیان کرنے کا اہم ترین مقصد مفسدوں کے انجام سے عبرت دلانا ہے۔

۱۶۱؎ موسیٰ علیہ السلام کے اس مطالبہ کو سمجھنے کے لئے ان حالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن میں یہ مطالبہ پیش کیا گیا تھا۔ نیز خدا کے اس منصوبہ کو بھی، جو اس نے بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس (فلسطین) میں آباد کرنے کے سلسلہ میں بنایا تھا۔

بنی اسرائیل کا اصل وطن کنعان (فلسطین) تھا۔ حضرت یوسفؑ جو حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کے بیٹے تھے مصر میں جب برسر اقتدار آئے تو ان کی دعوت پر یہ پورا خاندان مصر منتقل ہو گیا جہاں انہیں عزت کا مقام حاصل ہوا اور وہ با اثر رہے۔ ان کی نسل وہاں خوب بڑھی یہاں تک کہ چند صدیوں میں وہ ایک بڑی قوم بن گئے لیکن مصر کے مشرکانہ ماحول اور دنیا پرستانہ تمدن میں رہتے رہتے ان کے اندر اخلاقی وعملی کمزوریاں پیدا ہو گئیں اور فرعون نے جو وہاں کا ظالم حکمراں تھا انہیں غلام بنا لیا اور ان پر سخت مظالم ڈھانا شروع کئے۔ ان سے سخت محنت مزدوری کا کام لیا جاتا اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتیں ان کی آبادی گھٹانے کے لئے اس نے یہ ظالمانہ منصوبہ بنایا کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے ان سخت آزمائشوں سے گزرنے کے باوجود وہ اللہ کے دین پر جو انہیں ان کے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے ورثہ میں ملا تھا قائم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے ان کو فرعون کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، جو بنی اسرائیل ہی میں سے تھے رسول بنا کر بھیجا۔

بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا منصوبہ یہ تھا کہ انہیں فرعونیوں کے اقتدار سے آزاد کرا دیا جائے یعنی وہ مصر سے ہجرت کر جائیں اور اس ہجرت میں فرعون کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک صحرائے سینا میں خیمہ زن رکھ کر ان کی اس طرح تربیت کی جائے کہ انکی غلامانہ ذہنیت کا خاتمہ ہو اور ان کے اندر وہ اوصاف پیدا ہو جائیں جو انہیں شریعت الٰہی کا صحیح طور سے حامل بنا سکیں۔ اس تربیتی کیمپ سے ان کو گزارنے اور کوہ طور کے دامن میں شریعت عطا کرنے کے بعد انہیں سرزمین فلسطین میں بسایا جائے جو ان کا آبائی وطن ہے تاکہ اس کی مرکزِ دعوت ہونے کی حیثیت جو ابراہیم علیہ السلام نے اسے دی تھی بحال ہو جائے اور دنیا والوں پر دین توحید کی حقانیت واضح ہوتی رہے۔

تورات میں ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اس وقت انہیں بتا دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر کنعان (فلسطین) لے جانا ہے۔

''اور خداوند نے کہا میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں خوب دیکھی اور ان کی فریاد جو بیگار لینے والوں کے سبب سے ہے سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں اور میں اترا ہوں کہ ان کو مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس ملک سے نکال کر ان کو ایک اچھے اور وسیع ملک میں جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے یعنی کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حوّیوں اور یبوسیوں کے ملک میں پہنچاؤں، دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک پہنچی ہے اور میں نے وہ ظلم بھی جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ سو اب آ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔''

(خروج ۳:۷ تا ۱۰)

اور یہ بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے بزرگوں پر واضح کریں کہ خدا انہیں فلسطین لے جانا چاہتا ہے:

''جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ میں تم کو مصر کے دکھ میں سے نکال کر کنعانیوں، حتیوں، اموریوں، فرزیّوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں لے چلوں گا'' (خروج ۳:۱۶، ۱۷)

لیکن فرعون پر یہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کی آخری منزل کہاں ہے کیونکہ ایسا کرنا خلاف مصلحت تھا۔ یہ بات کہ فلسطین ان کی آخری منزل ہے ظاہر کرنے کے معنیٰ یہ تھے کہ قبل از وقت فلسطینیوں کو جنگ کی دعوت دی جائے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے صرف ابتدائی مراحل کا ذکر کیا۔ مثلاً یہ کہ وہ بنی اسرائیل کو بیابان میں لے جانا چاہتے ہیں تا کہ وہ ان جانوروں کی قربانی کریں جنکی وہ مصر میں رہ کر نہیں کر سکتے یا یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کے لئے اور عید منانے کے لئے جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ تورات میں ہے:

''اس کے بعد موسیٰ اور ہارون نے جا کر فرعون سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ بیابان میں میرے لئے عید کریں۔ فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات مان کر بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور میں بنی اسرائیل کو جانے بھی نہیں دوں گا تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے۔ سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل پر بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں''

(خروج ۵:۱ تا ۳)

''پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا اور اس سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

(خروج ۸:۱)

اس سے بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ مطالبہ کوئی ''قومی مطالبہ'' نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسا مطالبہ تھا جس کی پشت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم منصوبہ تھا اور اس سے اہم دینی مصالح وابستہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکو پوری قوت کے ساتھ اور آغاز ہی میں فرعون کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات اور تورات کے بیان سے واضح ہے۔ اس مطالبہ کے ساتھ توحید کی دعوت کو بھی پیش کرنے کا حکم دیا گیا تھا تا کہ فرعون پر اللہ کی حجت قائم ہو چنانچہ سورۂ نازعات میں ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى	''فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہو کیا تو چاہتا ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں کہ تو اس سے ڈرنے لگے۔''

(النازعات۔ ۱۷ تا ۱۹)

اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے جو دعوت فرعون کے سامنے پیش کی تھی وہ سورہ طٰہٰ میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ یہ وہی دعوت ہے جس کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے رہے ہیں لیکن چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک کافر قوم ہی سے نہیں بلکہ ایک مسلم قوم سے بھی واسطہ تھا اس لئے ان کو ایک خاص مہم پر روانہ کر دیا گیا تھا۔ اور یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو صرف دعوت تبلیغ کے کام کیلئے بھیجتا ہے بلکہ دوسری اہم خدمات بھی وہ مختلف انبیاء علیہم السلام

کے سپرد کرتا رہا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں خانۂ کعبہ کی تعمیر، حضرت داؤد کے ہاتھوں خلافت کا قیام، حضرت سلیمان کے ذریعہ عظیم الشان اسلامی سلطنت کا قیام اور جنوں اور پرندوں پر ان کی حکومت جیسے عظیم کارنامے اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ کی ایک توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ آغاز میں فرعون کے سامنے صرف دعوت کو پیش کیا گیا تھا۔ اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ بعد کے مرحلہ میں جبکہ فرعون کے ایمان لانے کی طرف سے مایوسی ہوگئی تھی، پیش کر دیا گیا۔ اگر فرعون ایمان لے آتا تو نہ رہائی کا مطالبہ پیش کیا جاتا اور نہ بنی اسرائیل کو مصر چھوڑنے کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن یہ سراسر تکلف ہے اور قرآن کے بیان سے اس کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔ قرآن کا بیان یہ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون کو معجزہ دکھانے سے پہلے ہی بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ پیش کیا تھا جیسا کہ زیر تفسیر آیت کے متصلاً بعد کی آیات سے واضح ہے۔

اس سے اس خیال کی بھی تردید ہوتی ہے جو موجودہ دور میں دعوتی کام کرنے والوں کے ذہن میں عام طور سے یہ سوال اُبھرتا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں غیر مسلم اکثریت میں اور مسلمان اقلّیت میں ہیں صرف دعوتی کام کی طرف توجہ دی جانی چاہئے اور مسلمانوں کے مسائل سے داعیان حق کو تعرض نہیں کرنا چاہئے ورنہ ان کا امیج (تصویر) قوم پرستانہ (موجودہ اصطلاح میں فرقہ پرستانہ) بن جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ ایک نبی سے بڑھ کر داعی حق اور کون ہوسکتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں کام بیک وقت انجام دیئے۔

اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ فرعون کی نظر میں ان کا امیج داعی کا بنتا ہے یا بنی اسرائیل کے قائد کا۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی ملک میں جہاں کفر کا غلبہ ہو مسلمانوں کے ان مسائل سے جو ان کی جان و مال اور ان کے دین و شریعت کے تحفظ کے لحاظ سے اہمیت رکھتے ہوں، صرفِ نظر کرنا اور یہ سمجھنا کہ ہماری ذمہ داری صرف دعوت پیش کرنے کی ہے یا یہ کہ ان مسائل سے دلچسپی لینے کی صورت میں ہمارا ''اصولی موقف'' باقی نہیں رہے گا ایک ایسی بات ہے جس کی تائید نہ قرآن وسنت سے ہوتی ہے اور نہ انبیاء علیہم السلام کے اسوہ سے۔ ''اصولی موقف'' کا یہ تصور نظریاتی غلو پر مبنی اور دین کے بعض اہم عملی تقاضوں کی طرف سے بے اعتنائی کا باعث ہے۔

۱۶۲؎ مراد معجزہ ہے۔

۱۶۳؎ یعنی موسیٰ کی لاٹھی واقعی سانپ بن گئی تھی۔

۱۶۴؎ یہ دوسرا معجزہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ ان معجزوں کو دیکھ کر اس بات کا یقین پیدا ہوتا تھا کہ موسیٰ کو اس کائنات کے فرمانروا نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۱۶۵؎ یہ ان کی آپس کی گفتگو ہے۔ جب وہ حقیقت کا اعتراف نہ کر سکے تو ایک سیاسی الزام موسیٰ علیہ السلام پر رکھ دیا اور یہ نہ سوچا کہ وہ متضاد باتیں کر رہے ہیں کیونکہ جس شخص کو وہ جادوگر کہہ رہے تھے اس سے یہ خطرہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ملک سے اس کے باشندوں کو بے دخل کر دے گا؟ کیا جادو کے بل پر اقتدار حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا کسی جادوگر نے کرتب دکھا کر کسی ملک کو فتح کیا ہے؟

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۳ چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آ گئے۔ انہوں نے کہا: اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں انعام ضرور ملے گا! ۱۶۶؎

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

۱۱۴ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم (ہمارے) مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

۱۱۵ (پھر جب مقابلہ ہوا تو) انہوں نے کہا موسیٰ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

۱۱۶ اس نے کہا تم ہی ڈالو۔ پھر جب انہوں نے (اپنی رسّیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں تو لوگوں کی نگاہیں جادو سے مار دیں ۱۶۷؎ اور ان کو خوف زدہ کر دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۷ اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ ڈال دو اپنا عصا۔ اسکا ڈالنا تھا کہ وہ ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا۔ ۱۶۸؎

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

۱۱۸ اس طرح حق ثابت ہوا اور ان کا بنا بنایا باطل ہو کر رہ گیا۔ ۱۶۹؎

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

۱۱۹ ان کو مغلوب ہونا پڑا اور وہ ذلیل ہو کر رہ گئے ۱۷۰؎۔

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

۱۲۰ اور جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے ۱۷۱؎۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

۱۲۱ کہنے لگے: ہم ربّ العالمین پر ایمان لائے۔ ۱۷۲؎

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

۱۲۲ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ۱۷۳؎۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۳ فرعون نے کہا: میری اجازت کے بغیر تم اس پر ایمان لے آئے ۱۷۴؎۔ یہ ایک سازش ہے جو تم نے اس شہر میں کی ہے تا کہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو ۱۷۵؎۔ اچھا تو (اسکا نتیجہ) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴ میں تمہارے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالونگا اور پھر تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ ۱۷۶؎

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

۱۲۵ انہوں نے کہا: ہمیں پلٹ کر تو اپنے رب ہی کی طرف جانا ہے۔ ۱۷۷؎

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۶ تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے سامنے آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کا فیضان کر اور اس حال میں وفات دے کہ ہم مسلم ہوں۔ ۱۷۸؎

۱۶۶۔ اس سے جادوگروں کے اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ انعام کے لالچ میں کرتب دکھانے آئے تھے۔ حق و باطل سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

۱۶۷۔ معلوم ہوا کہ جادو کی حقیقت فریبِ نظر اور شعبدہ بازی سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں واقعی سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ لوگوں کو ایسا دکھائی دیا کہ وہ سانپ بن گئی ہیں۔

۱۶۸۔ یعنی موسیٰ کے سانپ نے جادوگروں کے طلسم کو آن کی آن میں ختم کر دیا۔ یہ قصہ تورات میں بھی مختصراً بیان ہوا ہے۔

''اور موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے ڈال دی اور وہ سانپ بن گئی۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ انھوں نے بھی اپنی اپنی لاٹھی سامنے ڈالی اور وہ سانپ بن گئیں لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔ اور فرعون کا دل سخت ہو گیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔'' (خروج ۷: ۱۰ تا ۱۳)

۱۶۹۔ فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو جادو قرار دیا تھا لیکن اس مقابلہ نے جادو اور معجزہ کے فرق کو واضح کر دیا۔ جادو کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کو تبدیل نہیں کرتا بلکہ وہ محض نظر کا فریب ہوتا ہے۔ جبکہ معجزہ چیز کی حقیقت اور ماہیت کو تبدیل کرتا ہے وہ نظر کا فریب یا شعبدہ نہیں ہوتا، جادو دکھانے والے پست اخلاق اور بے اعتماد لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں معجزہ دکھانے والی شخصیتیں پاک سیرت اور بلند کردار ہوتی ہیں اور جب ان کے ہاتھوں معجزہ ظہور میں آتا ہے تو یقین ہونے لگتا ہے کہ یہ فرمانروائے کائنات کا نشان ہے جو ظاہر ہوا ہے۔ اور جب معجزہ کا مقابلہ جادو سے ہوتا ہے تو وہ جادو پر غالب آ جاتا ہے۔

۱۷۰۔ فرعون نے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ موسیٰ کا معجزہ، معجزہ نہیں بلکہ جادو ہے اور چیلنج کیا تھا کہ وہ جادوگروں کے مقابلہ میں بازی جیت کر دکھائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے چیلنج کو قبول کیا تھا۔ فرعون کو یقین تھا کہ وہ جادوگروں کے ذریعہ لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھانے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر موسیٰ کے معجزہ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہے گی اس لئے اس نے پروگرام یہ بنایا کہ عوام کے زبردست ہجوم میں اس کا مظاہرہ کیا جائے، لیکن جب موسیٰ نے بازی جیت لی اور جادوگروں کو شکست ہو گئی تو فرعون کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اور اسے بھرے مجمع میں بری طرح ذلّت کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۷۱۔ جب جادوگروں کا طلسم ٹوٹ گیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ کی لاٹھی کا سانپ بن جانا جادو نہیں بلکہ ایک خدائی نشان ہے اس لئے وہ بے تحاشا خدا کے حضور سجدے میں گر پڑے وہ اگرچہ کہ جادوگر تھے لیکن انکے اندر حق پسندی کا جذبہ کسی نہ کسی قدر موجود تھا اس لئے ان کو قبولِ حق کی توفیق نصیب ہوئی۔

۱۷۲۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان انسان کے اندر غیر معمولی جرأت پیدا کرتا ہے پھر وہ اپنے رب سے وفاداری کا اعلان کرنے میں کسی فرعون کو خاطر میں نہیں لاتا۔

۱۷۳۔ یعنی جس کو موسیٰ اور ہارون اپنا رب کہتے ہیں اسی کو ہم نے اپنا رب مان لیا ہے۔ اس صراحت سے مقصود فرعون کے سامنے حق کا بے لاگ اظہار کرنا تھا۔

۱۷۴۔ معلوم ہوا کہ فرعون کی ظالمانہ حکومت میں تبدیلیٔ مذہب کی آزادی نہیں تھی۔

۱۷۵۔ جب مجمع عام میں فرعون کی سبکی ہوئی تو اس نے اپنی خفّت پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت موسیٰ اور جادوگروں پر سازش کا الزام لگایا اور الزام بھی سیاسی نوعیت کا تا کہ ان کو باغی قرار دیکر لوگوں کو ان سے دور رکھا جا سکے۔ سیاسی لوگ اہل حق کے خلاف ایسے ہی ہتھکنڈے استعمال کیا کرتے ہیں۔

۱۷۶۔ غالباً فرعون کی حکومت میں بغاوت کی یہی سزا تھی۔

۱۷۷۔ کس قدر ایمان افروز جواب ہے جو جادوگروں نے دیا اور کیسی للّہیت ہے جو ایمان لاتے ہی جادوگروں کے اندر پیدا ہو گئی۔

۱۷۸۔ جادوگر فرعون سے انعام ملنے کے لالچ میں مقابلہ کے لئے آئے تھے جس سے ان کی پستیٔ اخلاق کا اندازہ ہوتا ہے لیکن ایمان نے آن کی آن میں ان کے ذہن اور ان کی سیرتوں میں زبردست انقلاب لایا۔ اب وہ عزیمت کے اونچے مقام پر پہنچ گئے تھے اور ان کے اندر ایسی ایمانی قوت پیدا ہو گئی کہ فرعون کے اقتدار سے بھی ٹکّر لینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

گویا وہ کہہ رہے ہوں۔ ؎

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ
لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ
اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

۱۲۷ اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد پھیلائیں ۱۷۹؎ اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کر دیں ۱۸۰؎۔ اس نے کہا: ہم ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے ۱۸۱؎ اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ ہم تو ان پر پوری طرح غلبہ رکھتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ
الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

۱۲۸ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو ۱۸۲؎ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے۔ ۱۸۳؎

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ
قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

۱۲۹ انہوں نے کہا: آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا: قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین ۱۸۴؎ میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہو۔ ۱۸۵؎

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ
الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

۱۳۰ اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا تا کہ ان کو تنبیہ ہو۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۱ لیکن جب ایسا ہوتا کہ خوشحالی آجاتی تو کہتے ہم اسی کے مستحق ہیں۔ اور اگر کوئی آفت آتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ حالانکہ ان کی نحوست اللہ ہی کے پاس تھی ۱۸۶؎ لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں تھے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ
لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

۱۳۲ انہوں نے کہا: ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے تم کیسی ہی نشانی لاؤ ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا
قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

۱۳۳ پھر ہم نے ان پر طوفان ۱۸۷؎ اور ٹڈیاں ۱۸۸؎ اور جوئیں ۱۸۹؎ اور مینڈک ۱۹۰؎ اور خون ۱۹۱؎ بھیجا کہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں ۱۹۲؎ مگر انہوں نے تکبّر کیا اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔ ۱۹۳؎

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾

۱۳۴ جب ان پر عذاب نازل ہوتا تو کہتے اے موسیٰ تمہارے رب نے تم سے جو عہد کیا ہے اس کی بناء پر ہمارے لئے دعا کرو ۱۹۴؎۔ اگر تم نے یہ عذاب ہم سے دور کر دیا تو ہم ضرور تمہاری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا
هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

۱۳۵ پھر جب ہم ان پر سے ایک وقت تک کے لئے جس کو وہ پہنچنے ہی والے تھے عذاب دور کر دیتے تو وہ فوراً عہد توڑنے لگتے۔

۱۷۹؎ ایک پیغمبر سے بڑھکر دنیا میں اصلاح کا کام کون کرسکتا ہے مگر کافروں کی نظر میں ان کا یہ کام فساد کا کام ہوتا ہے حالانکہ وہ خود بہت بڑے مفسد ہوتے ہیں۔

۱۸۰؎ واضح ہوا کہ فرعون خود بھی معبود بن بیٹھا تھا اور اس نے دوسرے معبود بھی بنا رکھے تھے۔ قدیم زمانہ میں عام طور سے بادشاہ رعایا سے اپنی پرستش کراتے تھے اور جہاں تک فرعون کا تعلق ہے وہ سورج دیوتا کا اوتار ہونے کا مدعی تھا۔ نیز مصری قوم ستارہ پرست اور بت پرست قوم تھی۔

''مصر میں بھی سامیۂ اولیٰ کے زمانہ میں اسی قسم کی ستارہ پرستی جاری تھی، سب سے بڑا دیوتا آفتاب تھا جسکو وہ اپنی زبان میں رَع کہتے تھے، ان کے دارالحکومت کا نام مدینۃ الشّمس تھا جسکو مصری ''ان'' کہتے تھے۔ یہیں آفتاب دیوتا کا مندر تھا۔ بادشاہ آفتاب دیوتا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کا لقب رَعمسیس ہوتا تھا یعنی ابن الشّمس یہی سبب ہے کہ سلاطین مصر کو دعوائے خدائی تھا۔'' (ارض القرآن۔ علامہ سید سلیمان ندوی ج ۲ ص ۱۶۰)

انسائکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے درج ذیل اقتباسات سے بھی واضح ہوگا کہ مصر میں رَع۔ یعنی سورج دیوتا کی پرستش کی جاتی تھی اور فراعنہ اپنے کو اس حیثیت سے پیش کرتے تھے کہ وہ رَع دیوتا کی اولاد ہیں:

Ra, the sun-god, was specially worshipped at Heliopolis _ Every king of Egypt afterwards had a Ra - name Ra was thus more constantly recognised than any other god."

(Ency. of Religion & Ethics Vol. V p. 248)

" Thenceforward the pharaos regularly designated themselves as sons of Ra." (do Vol. VI p. 278)

اس کے علاوہ مصری گائے کو بھی پوجتے تھے۔ رہا فرعون کا دعویٰ:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ''میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں'' (النازعات۔ ۲۴)

تو یہ محض موسیٰ علیہ السلام کو زچ (لاجواب) کرنے کے لئے تھا کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ یہ وہی منطق تھی جو نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کے جواب میں چھانٹی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ''میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔''

تو اس نے فوراً کہا:

اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ''میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں'' (البقرہ۔ ۲۵۸)

ظاہر ہے یہ جواب ابراہیم علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لئے تھا ورنہ وہ یہ بے تکی بات کیسے کہہ سکتا تھا جبکہ وہ خود اپنی موت وحیات پر قادر نہ تھا۔

فرعون نے مصر میں دیوی دیوتاؤں کی پرستش ممنوع نہیں ٹھہرائی کیونکہ یہ پرستش اس کے دعوئے خداوندی میں مانع نہیں تھی لیکن موسیٰ کے خدا کو تسلیم کرنے کی صورت میں فرعون سمیت تمام معبودوں کی نفی ہوتی تھی اور ایک اللہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنا پڑتا تھا جس کے بعد اس کے احکام کو بھی ماننا پڑتا خاص طور سے اس کے اس حکم کو کہ موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو اس لئے نہ وہ خود موسیٰ کے خدا کو ماننے کے لئے تیار ہوا اور نہ اپنی رعایا کو اس کی اجازت دی۔ اس کے نزدیک وقت کا سب سے بڑا خدا ملک کا بادشاہ تھا جو پرستش کا بھی مستحق تھا اور اطاعت کا بھی۔ اس کا یہ اعلان کہ

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ''میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا اور کوئی خدا ہے۔'' (القصص۔ ۳۸)

اسی مفہوم میں تھا۔ اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ فرعون دہریہ تھا یا یہ کہ اس نے اس مفہوم میں خدائی کا دعویٰ کیا تھا کہ وہ آسمان وزمین کا خالق ہے یا ان پر اس کی حکومت قائم ہے بلکہ وہ اس بات کا مدعی تھا کہ مصر پر اس کا اقتدار قائم ہے اس لئے وہ پرستش کا بھی مستحق ہے اور اطاعت کا بھی:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (الزخرف۔۵۱)

''اور فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا: میری قوم کے لوگو! کیا مصر پر اقتدار میرا نہیں ہے اور کیا یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو''!

(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نازعات نوٹ ۱۳ اور ۱۸)

۱۸۱۔ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹانے کے لئے فرعون یہ حربہ پہلے بھی استعمال کر چکا تھا مگر اس میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اب اس نے دوبارہ اسے استعمال کرنے کا ارادہ ظاہر کیا بائبل میں ہے:

''اور فرعون نے اپنی قوم کے سب لوگوں کو تاکیداً کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دینا اور جو بیٹی پیدا ہو اسے جیتی چھوڑنا'' (خروج ۱:۲۲)

۱۸۲۔ کسی ظالمانہ حکومت میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے کرنے کا اصل کام یہی ہے کہ وہ اللہ سے رشتہ مضبوط کر کے اس کی مدد کے طالب بنیں جس کی بہترین شکل نماز ہے اور حالات کا کوئی اثر قبول کئے بغیر حق پر جمے رہیں۔

۱۸۳۔ یعنی حکومت و اقتدار بخشنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے۔ اگر اس نے ایک ظالم حکمراں کو اقتدار بخشا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس سے خوش ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے ساتھ جو آزمائشی مصلحتیں وابستہ ہیں ان کے پیش نظر ابتلا کے مواقع فراہم کر دئے جائیں اور پھر اللہ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ اور ان مظلوموں کو جنہوں نے آزمائش کی بھٹی سے گزر کر اپنے کو اللہ کا وفادار اور نیک بندہ ثابت کر دکھایا ابدی نعمتوں سے نوازا جائے۔

۱۸۴۔ مراد فلسطین کی سرزمین ہے۔

۱۸۵۔ اہل ایمان کو جو اقتدار بخشا جاتا ہے اس میں بھی ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ اس اقتدار کو پا کر اللہ کے شکر گزار بندے بنتے ہیں یا ناشکرے، اور اس اقتدار کو اللہ کے احکام و قوانین کے جاری کرنے اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے استعمال کرتے ہیں یا سرکشی اور ظلم کے لئے۔

۱۸۶۔ یعنی وہ اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے ان آفتوں کو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے تھے حالانکہ اسکی اصل حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بطور تنبیہ یہ آفتیں نازل کر رہا تھا۔

۱۸۷۔ طوفان کی تفصیل بائبل میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

''اور موسیٰ نے اپنی لاٹھی آسمان کی طرف اٹھائی اور خداوند نے رعد اور اولے بھیجے اور آگ زمین تک آنے لگی اور خداوند نے ملک مصر پر اولے برسائے ۔۔۔۔۔۔۔ وہ اولے ایسے بھاری تھے کہ جب سے مصری قوم آباد ہوئی ایسے اولے ملک میں کبھی نہیں پڑے تھے اور اولوں نے سارے ملک مصر میں انکو جو میدان میں تھے کیا انسان کیا حیوان سب کو مارا اور کھیتوں کی ساری سبزی کو بھی اولے مار گئے اور میدان کے سب درختوں کو توڑ ڈالا مگر جشن کے علاقہ میں جہاں بنی اسرائیل رہتے تھے اولے نہیں گرے۔'' (خروج ۹:۲۳ تا ۲۶)

۱۸۸۔ ٹڈی دَل کے بارے میں بائبل میں ہے:

''پس موسیٰ نے ملک مصر پر اپنی لاٹھی بڑھائی اور خداوند نے اس سارے دن اور ساری رات پُروا آندھی چلائی اور صبح ہوتے ہوتے پُروا آندھی ٹڈیاں لے آئی۔ اور ٹڈیاں سارے ملک مصر پر چھا گئیں اور وہیں مصر کی حدود میں بسیرا کیا اور انکا دَل ایسا بھاری تھا کہ نہ تو اس سے پہلے ایسی ٹڈیاں کبھی آئیں نہ انکے بعد پھر آئینگی کیونکہ انہوں نے تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہو گیا اور انہوں نے اس ملک کی ایک ایک سبزی کو اور درختوں کے میووں کو جو اولوں سے بچ گئے تھے چٹ کر لیا اور ملک مصر میں نہ تو کسی درخت کی نہ کھیت کی کسی سبزی کی ہریالی باقی رہی۔'' (خروج ۱۰:۱۳ تا ۱۵)

۱۸۹؎ جوؤں کی آفت کے بارے میں بائبل میں مذکور ہے:

''تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی بڑھا کر زمین کی گرد کو مارتا کہ وہ تمام ملک مصر میں جوئیں بن جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی لیکر اپنا ہاتھ بڑھایا اور زمین کی گرد کو مارا اور انسان اور حیوان پر جوئیں ہوگئیں اور تمام ملک مصر میں زمین کی ساری گرد جوئیں بن گئی'' (خروج ۸:۱۶، ۱۷)

۱۹۰؎ مینڈکوں کا عذاب جس شکل میں آیا اس کی تفصیل بائبل میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

''پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور اگر تو ان کو جانے نہ دیگا تو دیکھ میں تیرے ملک کو مینڈکوں سے مارونگا۔ اور دریا بیشمار مینڈکوں سے بھر جائے گا اور وہ آ کر تیرے گھر میں اور تیری آرام گاہ میں اور تیرے پلنگ پر اور تیرے ملازموں کے گھروں میں اور تیری رعیت پر اور تیرے تنوروں اور آٹا گوندھنے کے لگنوں میں گھستے پھرینگے۔ اور تجھ پر اور تیری رعیت اور تیرے نوکروں پر چڑھ جائیں گے اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لیکر اپنا ہاتھ دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں پر چڑھا اور مینڈکوں کو ملک مصر پر چڑھا یا چنانچہ جتنا پانی مصر میں تھا اس پر ہارون نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور ملک مصر کو ڈھانک لیا۔'' (خروج ۸:۱ تا ۶)

۱۹۱؎ خون کے عذاب کے بارے میں بائبل کا بیان ہے کہ:

''اور موسیٰ اور ہارون نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا۔ اس نے اپنی لاٹھی اٹھا کر اسے فرعون اور اسکے خادموں کے سامنے دریا کے پانی پر مارا اور دریا کا پانی سب خون ہوگیا۔ اور دریا کی مچھلیاں مرگئیں اور دریا سے تعفن اٹھنے لگا اور مصری دریا کا پانی پی نہ سکے اور تمام ملک مصر میں خون ہی خون ہوگیا۔''

(خروج ۷:۲۰، ۲۱)

۱۹۲؎ یعنی یہ نشانیاں ایک ساتھ نہیں بلکہ وقفہ وقفہ سے دکھادی گئی تھیں تا کہ انہیں بار بار تنبیہ ہو اور ایک نہیں تو دوسرے موقع پر انہیں غلط روی کا احساس ہوجائے۔

۱۹۳؎ یعنی جرم کرتے کرتے ان کی ذہنیت مجرمانہ بن گئی تھی اس لئے ان تنبیہات کا کوئی اثر انہوں نے قبول نہیں کیا۔

۱۹۴؎ فرعون اور اس کی قوم موسیٰ کے رب یعنی خالقِ کائنات سے بالکل ناآشنا نہیں تھی ورنہ وہ موسیٰ سے یہ درخواست نہ کرتی کہ ہمارے لئے اس سے دعا کرو۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

۱۳۶ آخرکار ہم نے ان کو سزا دی اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا ۱۹۵؎ کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

۱۳۷ اور جن لوگوں کو کمزور بنا کر رکھا گیا تھا ان کو ہم نے اس سرزمین کے مغرب و مشرق کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں ۱۹۶؎۔ اور (اے پیغمبر!) تمہارے رب کا بہترین وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا ۱۹۷؎ کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا ۱۹۸؎۔ اور فرعون اور اس کی قوم نے جو کچھ بنایا تھا اور جو عمارتیں بلند کی تھیں وہ سب ہم نے ملیا میٹ کر دیں۔ ۱۹۹؎

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

۱۳۸ اور بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر پار کرا دیا ۲۰۰؎ پھر ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی ۲۰۱؎۔ کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جس طرح ان کے معبود ہیں ۲۰۲؎۔ اس نے کہا: تم بڑے جاہل لوگ ہو۔

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

۱۳۹ یہ لوگ جس کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں وہ برباد ہونے والا ہے ۲۰۳؎۔ اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

۱۴۰ نیز اس نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے دنیا کی قوموں پر تم کو فضیلت بخشی ہے۔ ۲۰۴؎

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

۱۴۱ اور یاد کرو جب ہم نے فرعون والوں سے تم کو نجات دی جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے ۲۰۵؎۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

۱۴۲ اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے پورا کر لیا ۲۰۶؎۔ اس طرح اس کے رب کی مقرر کی ہوئی مدت چالیس راتوں میں پوری ہو گئی۔ اس نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تھا: میری قوم میں میری جانشینی کرنا ۲۰۷؎ اور اصلاح کے کام کرنا اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کی راہ نہ چلنا۔ ۲۰۸؎

۱۹۵۔ غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ یونس آیت ۹۰ تا ۹۳ میں نیز دیگر سورتوں میں بھی بیان ہوا ہے۔

۱۹۶۔ مراد فلسطین کی سرزمین ہے جو دینی برکتوں سے مالا مال ہے چنانچہ یہاں کتنے ہی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا ظہور ہوا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کو یہیں بسایا تھا جن کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی اور اسے دنیا کی ممتاز ترین قوم کی حیثیت سے اٹھایا یہیں حضرت سلیمان کے ہاتھوں بیت المقدس کی تعمیر ہوئی جس نے یہاں کی فضا کو روحانی بنا دیا۔

۱۹۷۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اقتدار بخشنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا۔ بائبل میں اس وعدے کا ذکر متعدد جگہ ہوا ہے مثلاً

''اور میں نے ان کے ساتھ اپنا عہد بھی باندھا ہے کہ ملک کنعان جو انکی مسافرت کا ملک تھا اور جس میں وہ پردیسی تھے ان کو دونگا۔۔۔۔۔ اور جس ملک کو ابرہام اور اسحاق اور یعقوب کو دینے کی قسم میں نے کھائی تھی اس میں تم کو پہنچا کر اسے تمہاری میراث کر دوں گا۔ خداوند میں ہوں۔'' (خروج ۶: ۴، ۸)

حضرت موسیٰ کی زندگی کے آخری ایام میں بنی اسرائیل نے موآب کے علاقہ کو فتح کر لیا تھا جو فلسطین کی سرحد سے لگا ہوا ہے اور آپ کی وفات کے بعد یوشع بن نون کی قیادت میں ملک کنعان (فلسطین) کو فتح کر لیا:

''پس جیسا خداوند نے موسیٰ سے کہا تھا اسکے مطابق یشوع (یوشع) نے سارے ملک کو لے لیا اور یشوع نے اسرائیلوں کو ان کے قبیلوں کی تقسیم کے موافق میراث کے طور پر دے دیا اور ملک کو جنگ سے فراغت ملی۔'' (یشوع ۱۱: ۲۳)

۱۹۸۔ بنی اسرائیل میں اگرچہ کہ کمزوریاں تھیں لیکن فرعون کے ظلم وستم کے باوجود وہ اپنے دین پر قائم رہے اور موسیٰؑ کی قیادت میں انہوں نے مصر سے ہجرت کی۔

۱۹۹۔ یعنی انکی ساری تمدنی ترقی خاک میں مل کر رہ گئی اور وہ شاندار عمارتیں جو انہوں نے بنی اسرائیل سے سخت خدمت لیکر بنائی تھیں تباہی کی نذر ہو گئیں۔ یہ تباہی غالباً پرواہوا کے چلنے سے ہوئی تھی جس نے ایک طرف مصر میں تباہی مچائی اور دوسری طرف فرعون اور اسکے لشکر کے سمندر میں غرق کرنیکا سامان کیا۔

۲۰۰۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر سمندر پار کرا دیا تھا۔

۲۰۱۔ جب وہ قلزم کو پار کر کے صحرائے سینا میں آئے تو انہوں نے کوہِ طور (حورب) کا رخ کیا اس سفر کے دوران انکا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش میں مگن تھے۔

۲۰۲۔ اوپر گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے صبر سے کام لیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکو فرعون سے نجات بخشی اور سرفراز کیا۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے فرعون سے نجات پانے کے بعد اللہ کی کیسی ناشکری کی کہ موسیٰ سے ایک معبود کا مطالبہ کر بیٹھے۔ یہ دونوں باتیں اس لحاظ سے صحیح ہیں کہ بنی اسرائیل میں مختلف کردار کے لوگ موجود تھے بلند کردار بھی اور پست کردار بھی اور چونکہ بحیثیت مجموعی وہ فرعون کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور انہوں نے موسیٰ کو اپنا قائد تسلیم کر لیا تھا اس لئے وہ عزت وسرفرازی کے مستحق ہوئے۔ لیکن ان میں جو لوگ مصر کے مشرکانہ ماحول میں رہ کر عقیدہ وعمل کی کمزوری میں مبتلا ہو گئے تھے وہ ایسی حرکتیں کرتے رہے جو سراسر جاہلانہ اور بنی اسرائیل کے قومی وجود پر بدنما داغ تھیں۔ ایسی ہی ایک جاہلانہ حرکت کا ذکر یہاں ہوا ہے اور انکی دوسری جاہلانہ حرکتوں کا ذکر قرآن میں دوسرے مقامات میں ہوا ہے۔

۲۰۳۔ یعنی ان کا تراشا ہوا بت جس کو وہ خدا بنا بیٹھے ہیں مٹی میں مل کر پامال ہو جانے والا ہے جبکہ تمہارا خدا ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ہستی ہے۔

۲۰۴۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو امامت کے منصب پر بٹھایا ہے تاکہ تم اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنو لیکن تم ہو کہ گمراہ قوموں کی تقلید کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں نہ اپنے مقام کا پاس ہے اور نہ تم اپنے محسن کے قدر شناس ہو۔

۲۰۵۔ تاکہ وہ بڑی ہو کر فرعونیوں کی خدمت کر سکیں۔ بقیہ صفحہ ۴۸۵ پر

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

۱۴۳ اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا ۲۰۹ تو درخواست کی اے میرے رب! جلوہ فرما تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں ۲۱۰۔ فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے ۲۱۱۔ البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑا ۲۱۲۔ جب ہوش آیا تو بول اٹھا: پاک ہے تو میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں ۲۱۳۔ اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں۔ ۲۱۴۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۡ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

۱۴۴ فرمایا: اے موسیٰ میں نے تمہیں پیغمبری اور ہم کلامی عطا کر کے لوگوں پر برگزیدہ کیا ہے، تو جو کچھ میں تجھے دے رہا ہوں ۲۱۵۔ اسے لو اور شکر گزار بن جاؤ۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

۱۴۵ اور ہم نے تختیوں ۲۱۶۔ پر اسکے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر بات کی تفصیل لکھ دی۔ ۲۱۷۔ (اور فرمایا) ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے بہتر معنیٰ کی پیروی کریں ۲۱۸۔ عنقریب میں تمہیں فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا۔ ۲۱۹۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

۱۴۶ میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق زمین میں تکبر کرتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی نشانیاں دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہ لائیں۔ اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اختیار نہ کریں، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اختیار کریں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروا ہو گئے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

۱۴۷ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت گئے۔ انہیں اس کے سوا اور کیا بدلہ ملے گا کہ وہ اپنے کرتوتوں کا پھل پائیں۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

۱۴۸ اور موسیٰ کے (طور پر) چلے جانے کے بعد اسکی قوم نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا ڈھال لیا جو محض ایک دھڑ تھا اور جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی ۲۲۰۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کی رہنمائی کر سکتا ہے ۲۲۱۔ ! انہوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

۱۴۹ پھر جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمیں معاف نہ کیا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

۲۰۹؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نساء نوٹ ۲۷۴؎

۲۱۰؎ لذّتِ کلام نے حضرت موسیٰ کے اندر شوقِ دید بھی پیدا کر دیا اور وفورِ شوق میں وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کر بیٹھے۔

تورات میں ہے: ''تب وہ بول اٹھے کہ میں تیری منت کرتا ہوں مجھے اپنا جلال دکھا دے'' (خروج ۳۳:۱۸)

۲۱۱؎ کیونکہ آنکھیں خدا کو دیکھنے کی تاب کہاں لا سکتی ہیں۔

تورات میں ہے: ''اور یہ بھی کہا تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا۔'' (خروج ۳۳:۲۰)

۲۱۲؎ اس سے ظاہر ہوا کہ پہاڑ جیسی سخت چیز بھی خدا کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی پھر گوشت پوشت کا انسان اس کو کہاں دیکھ سکتا ہے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر نہ صوفیوں کی ریاضتیں خدا کا مشاہدہ کرا سکتی ہیں اور نہ جوگیوں کے یوگا آسن۔ صحیح بات یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں خدا کو دیکھنے کی کوشش کرنے کے بجائے اس کی آیات (نشانیوں) کو دیکھنے پر اکتفا کرے اور ان آیات کے ذریعہ خدا کی جو معرفت اسے حاصل ہو اس پر ایمان لائے۔

۲۱۳؎ موسیٰ علیہ السلام کو جوں ہی احساس ہوا کہ انہوں نے مشاہدۂ حق کی جو درخواست خدا سے کی تھی، وہ مناسب نہیں تھی وہ اس کے حضور تائب ہو گئے۔

۲۱۴؎ یعنی کوئی ایمان لائے یا نہ لائے میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔ یہ اپنے ایمان کی تجدید تھی جو حضرت موسیٰ نے اس موقع پر کی۔

۲۱۵؎ مراد تورات ہے۔

۲۱۶؎ بائبل میں ہے کہ یہ تختیاں دو تھیں اور پتھر کی تھیں اور ان کے دونوں طرف عبارت کندہ تھی۔ مگر قرآن نے ''الواح'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو عربی قاعدہ کی رو سے جمع یعنی دو سے زائد کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے تختیاں کم از کم تین رہی ہوں گی۔

۲۱۷؎ معلوم ہوا کہ ان تختیوں پر صرف احکام عشرہ (Ten Commandments) ہی کندہ نہ تھے بلکہ موعظت کے علاوہ دین و شریعت کی تمام بنیادی باتیں کندہ تھیں۔

۲۱۸؎ یعنی صرف الفاظ کو لیکر نہ بیٹھ جائیں اور ایسا نہ کریں کہ جن الفاظ کے متعدد معنیٰ ہوتے ہوں ان کے ان معنیٰ کو لیں جو نہ سیاق و سباق سے مطابقت رکھتے ہوں اور نہ کلام الٰہی کے شایانِ شان ہوں۔ اس پیشگی تنبیہ کے باوجود بنی اسرائیل نے آگے چل کر وہی کیا جس کا اندیشہ تھا یعنی کلام الٰہی کو وہ معنیٰ پہنائے جو اس کے منشا کے خلاف تھے۔ اس طرح وہ ایک حکیمانہ کلام کو ٹنک بندی کی سطح پر لے آئے نتیجہ یہ کہ جہاں سے انہیں ہدایت ملنا چاہئے تھی وہاں سے انہوں نے گمراہی اخذ کی۔ اس کی واضح مثالیں تورات کے موجودہ ترجموں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ قرآن کے پیروؤں کے لئے بھی اس میں انتباہ ہے کہ قرآن کے کسی لفظ کے وہ معنی اور کسی آیت کا وہ مفہوم لینا چاہئے جو سب سے بہتر اور پورے قرآن سے ہم آہنگ ہو۔ اس اصول کو اگر پوری طرح ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے تفسیری اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

۲۱۹؎ فاسقوں کے گھر سے مراد جیسا کہ بعد کی آیت سے واضح ہوتا ہے فاسقوں کا ٹھکانہ اور ان کا انجام ہے۔

۲۲۰؎ بنی اسرائیل مصر کے مشرکانہ ماحول میں رہتے ہوئے اعتقادی اور اخلاقی لحاظ سے کافی کمزور ہو چکے تھے اسلئے وہ کسی بھی فتنہ کا آسانی سے شکار ہو سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ چونکہ ان پر پوری طرح گرفت (Hold) رکھتے تھے اس لئے ان کی موجودگی میں کوئی فتنہ سر اُٹھا نہ سکا لیکن جوں ہی وہ طور پر چلے گئے سامری نے سونے کے زیورات سے بچھڑے کا ڈھانچہ بنا کر ان کیلئے فتنہ کھڑا کر دیا۔ سامری ایک منافق شخص تھا جس کا قصہ سورۂ طٰہٰ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس نے بچھڑے کو ڈھالنے میں اپنی اس فنی مہارت کا ثبوت دیا تھا کہ ہوا کے گزرنے سے اس میں گائے یا بیل کی سی آواز پیدا ہو جاتی تھی۔

۲۲۱؎ یعنی اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی کہ بچھڑے میں خدائی کی کوئی صفت بھی موجود نہیں ہے پھر ایسی چیز کو معبود بنانے کا کیا مطلب جس میں خدائی کی ایک صفت بھی موجود نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی جب عقیدت کے معاملہ میں غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے پھر اسے اینٹ، پتھر، گائے بیل، آگ، ناگ کسی چیز کی بھی پوجا کرنے میں باک نہیں ہوتا جبکہ آدمی کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ ان میں خدائی کی کوئی صفت پائی نہیں جاتی۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ
وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ
قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۡ
فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰

۱۵۰ اور جب موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے تو کہا کیسی بُری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے پیچھے!۲۲۲؎ کیا تم نے جلد بازی کی اور اپنے رب کے حکم کا انتظار نہ کیا؟۲۲۳؎ اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اس کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے ۲۲۴؎۔ اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے ۲۲۵؎، تو مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور اس ظالم گروہ میں مجھے شامل نہ کیجئے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۡ وَاَنْتَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱

۱۵۱ (موسیٰ نے) کہا: اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر ۲۲۶؎ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ تو سب سے بڑھکر رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲

۱۵۲ (اللہ نے فرمایا) جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان پر ضرور اللہ کا غضب ٹوٹ پڑے گا اور دنیا کی زندگی میں انہیں ذلت نصیب ہوگی۔ جھوٹ گھڑنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔۲۲۷؎

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ
اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳

۱۵۳ اور جن لوگوں نے برے کام کئے پھر اسکے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، تو یقیناً اس کے بعد تمہارا رب بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۠ وَفِيْ نُسْخَتِهَا
هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝۱۵۴

۱۵۴ جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو اس نے تختیاں اٹھالیں۔ اور ان کی عبارت میں ہدایت و رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا
بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ
اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ
اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۡ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝۱۵۵

۱۵۵ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر حاضر ہونے کے لئے منتخب کیا ۲۲۸؎۔ جب ان کو زلزلہ نے آلیا تو (موسیٰ نے) عرض کیا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک کر سکتا تھا ۲۲۹؎۔ کیا تو ایک ایسی حرکت کی پاداش میں جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کی ہے ہم سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری ایک آزمائش تھی، جس کے ذریعہ تو جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے، ہمیں معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر معاف کرنیوالا ہے۔

۲۲۲؎ یہ بات حضرت موسیٰ نے قوم سے خطاب کر کے کہی۔ اور ''بری جانشینی کی'' کا مطلب یہ ہے کہ جس حال پر میں نے تمہیں چھوڑا تھا اس پر تم قائم نہ رہے بلکہ میری غیر موجودگی میں بگاڑ اور گمراہی کی راہ پر چل پڑے۔

۲۲۳؎ حضرت موسیٰ تیس دن کے لئے کوہ طور پر گئے تھے لیکن جب اس معیاد میں دس دن کا اضافہ ہوا تو سامری کو موقع مل گیا کہ وہ لوگوں کو حضرت موسیٰ سے بدگمان کرے اور لوگ بجائے اس کے کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کرتے کہ ہوسکتا ہے اس نے میعاد میں اضافہ کر دیا ہو سامری کے بہکاوے میں آ گئے۔

۲۲۴؎ حضرت موسیٰ کا یہ جوش غضب جس کا اظہار تختیوں کو ایک طرف ڈال دینے اور حضرت ہارون کو اپنی طرف گھسیٹنے کی شکل میں ہوا غیرت ایمانی اور حمیت حق کا تقاضا تھا اور یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت موسیٰ نے تختیاں پھینک دی تھیں اور وہ ٹوٹ گئی تھیں جیسا کہ بائبل کا بیان ہے بلکہ انہوں نے شدتِ غضب میں ڈال دی تھیں اور جیسا کہ آگے چل کر آیت ۱۵۴ میں بیان ہوا ہے ان تختیوں کو انہوں نے بعد میں اٹھا لیا تھا۔

۲۲۵؎ حضرت ہارون کے اس بیان سے واضح ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش سے روکنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی اور الٹے ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ قوم کے یہ تیور دیکھ کر حضرت ہارون نے مناسب یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ کی واپسی کا انتظار کیا جائے۔ وہ بنی اسرائیل پر زور رکھتے ہیں اسلئے جو کارروائی مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ چنانچہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کے خلاف حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے جو کارروائی کی اس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۵۴ میں ہوا ہے۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۷۳)

بائبل میں یہ شرمناک الزام حضرت ہارون پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے بچھڑا بنایا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہود انبیاء علیہم السلام پر بھی الزام لگانے سے نہیں چوکتے لیکن قرآن نے حضرت ہارون کا بیان نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا دامن بے داغ ہے اور یہ الزام بالکل جھوٹا ہے۔

۲۲۶؎ یعنی غصہ میں اگر کوئی قصور مجھ سے سرزد ہوا ہو یا میرے بھائی ہارون سے نیابت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں تو انہیں معاف فرما۔

۲۲۷؎ گوسالہ پرستی ہو یا بت پرستی سب شرک ہے اور شرک سراسر جھوٹ ہے جو اللہ پر باندھا جاتا ہے کیونکہ شرک کرنے والا درحقیقت اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ خدا کی خدائی میں اور ہستیاں بھی شریک ہیں یا یہ کہ بتوں کی پرستش خدا کی پرستش کے ہم معنیٰ ہے یا یہ کہ ان کی پرستش خدا نے حرام نہیں ٹھہرائی ہے۔ ان میں سے جو صورت بھی ہو خدا پر جھوٹ باندھنے کے سوا کچھ نہیں۔ اور شرک کرنے والوں کے لئے اللہ کا غضب اور دنیوی زندگی میں ذلت مقدر ہے۔

بنی اسرائیل کے جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا ان کو جو سوا کن سزا دی گئی اس کا ذکر سورۂ بقرہ نوٹ ۷۳؎ میں گزر چکا۔

۲۲۸؎ حضرت موسیٰ نے ستر آدمیوں کا انتخاب اس لئے کیا تھا تا کہ بچھڑے کی پوجا کر کے قوم جس جرم کی مرتکب ہوئی ہے اس کے سلسلہ میں یہ منتخب افراد کوہ طور پر حاضر ہو کر خدا سے اس کی معافی مانگیں۔

۲۲۹؎ جب یہ ستر اشخاص کوہ طور پر حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے زلزلہ کی صورت پیدا کر دی تا کہ ان پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ سے معافی کے خواستگار ہوں۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

۱۵۶ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا ۲۳۰؎۔ فرمایا میں اپنے عذاب میں تو اُسی کو مبتلا کرتا ہوں جسے چاہتا ہوں لیکن میری رحمت تو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے ۲۳۱؎۔ تو میں اسے ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور ہماری نشانیوں پر ایمان لائیں گے۔ ۲۳۲؎

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

۱۵۷ (اور آج اس رحمت کے مستحق وہ لوگ ہیں ۲۳۳؎) جو اس رسول کی جو نبی اُمّی ہے، ۲۳۴؎ پیروی کریں گے جس کا ذکر وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں ۲۳۵؎۔ وہ انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے ۲۳۶؎۔ ان پر سے وہ بوجھ اور وہ طوق اُتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے ۲۳۷؎۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت اور مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اُتارا گیا ہے ۲۳۸؎، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

۱۵۸ کہو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں ۲۳۹؎ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔ لہٰذا ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول نبی امی پر جو اللہ اور اس کے فرمانوں پر ایمان رکھتا ہے اور پیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

۱۵۹ موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی تھا ۲۴۰؎، جو حق کے مطابق رہنمائی کرتا اور اس کے مطابق انصاف کرتا تھا۔ ۲۴۱؎

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

۱۶۰ اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ گروہ تشکیل دئے تھے ۲۴۲؎۔ اور جب موسیٰ کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پر وحی کی کہ اپنا عصا چٹان پر مارو، چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی ۲۴۳؎۔ اور ہم نے ان پر اَبر کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اُتارا ۲۴۴؎۔ کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں۔ مگر انہوں نے (ناشکری کر کے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے۔

۲۳۰۔ حضرت موسیٰ کی یہ دعا جس کا ایک ایک لفظ سوز و گداز اور انابت و خشوع سے پر تھا بادلوں کو چیرتی ہوئی آسمان پر پہنچ گئی۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

۲۳۱۔ یعنی عذاب خاص ہے اور رحمت عام۔ جہاں تک عذاب کا تعلق ہے اس کی گرفت میں وہی لوگ آتے ہیں جن کو گرفت میں لینے کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے اور یہ فیصلہ اس کی صفتِ عدل اور صفتِ حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے لیکن اس کی رحمت سے کوئی بھی محروم نہیں۔ بشر ہو یا شجر ہر چیز اس کے سایۂ رحمت ہی میں پل رہی ہے۔ کائنات پر نظر ڈالئے تو ہر طرف اس کی رحمت کے چشمے اُبلتے دکھائی دیں گے۔

۲۳۲۔ یعنی جہاں تک اللہ کی اس رحمت کا تعلق ہے جو جزائے عمل کے طور پر دی جانے والی ہے تو وہ ان ہی لوگوں کا حصہ ہوگی جن کے یہ اور یہ اوصاف ہوں گے۔

تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ اس میں شرک سے بچنا لازماً شامل ہے۔

۲۳۳۔ یہ اور اس کے بعد والی آیت بطور جملہ معترضہ کے ہے یعنی بنی اسرائیل کی جو سرگزشت بیان کی جارہی ہے وہ جب اللہ تعالیٰ کے وعدۂ رحمت کے ذکر تک پہنچ گئی تو یہ واضح کرنے کا موقع پیدا ہوگیا کہ آج اس کی رحمت کے مستحق کون لوگ ہیں۔ اسی مناسبت سے یہاں نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

۲۳۴۔ لفظ ''اُمّی'' کی تشریح سورۂ آل عمران نوٹ ۲۹ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی وصف کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کیونکہ پڑھا لکھا نہ ہونا اگرچہ کوئی خوبی کی بات نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ بات اس لئے خوبی کی بن گئی کہ اس سے آپ کی معجزانہ شان کا ظہور ہوا۔ پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود آپ نے جو تعلیم دی اس کو دیکھ کر میدانِ علم کے بڑے بڑے سورما دنگ ہیں اور علماء، مفکرین، اور اہل دانش سب آپ سے کسب فیض کر رہے ہیں۔ گویا آپ کا امی ہونا آپ کی نبوت کی دلیل بن گیا اور دلیل بھی ایسی جس کا جواب دینے سے دنیا عاجز ہے۔

آپ کا امی ہونا اہل کتاب کے لئے اس پہلو سے بھی دلیل نبوت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نسلِ ابراہیمی کی ایک شاخ بنی اسرائیل کو کتابِ الٰہی سے نوازا تھا اور ان کے اندر انبیاء مبعوث فرمائے تھے وہاں اس کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل کو نہ کتاب دی اور نہ ان کے اندر انبیاء مبعوث فرمائے بلکہ یہ وعدہ فرمایا کہ اس شاخ ابراہیمی میں جو کتاب سے نا آشنا ہے اور جس کی ہدایت کا ذریعہ صرف وہ طریقہ ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل نے ان کے لئے چھوڑا ہے ایک ایسے نبی کو ان کے اندر برپا کروں گا جو امی ہونے کے باوجود کتاب الٰہی کا حامل ہوگا چنانچہ تورات میں ہے:

''میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جسکو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔'' (استثناء ۱۸:۱۸، ۱۹)

یہ بات انبیاء بنی اسرائیل میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتی کیونکہ یہاں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں نبی مبعوث کرنے کی بات کہی گئی ہے نہ کہ بنی اسرائیل میں۔ لہٰذا اگر تورات کی اس پیشین گوئی کے مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں تو اور کون ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی صاحب شریعت ہیں جبکہ انبیائے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے اس لئے تورات کی مذکورہ پیشین گوئی میں موسیٰ کی مانند نبی برپا کرنے کی جو بات کہی گئی ہے اس کے مصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھہرتے ہیں۔

۲۳۵۔ تورات کی پیشین گوئی کا حوالہ اوپر کے نوٹ میں گزر چکا ہے۔ رہی انجیل تو اس میں متعدد مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیاں موجود ہیں مثلاً:

''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائیگی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا پیس ڈالے گا۔'' (متی ۲۱:۴۲ تا ۴۴)

اس پیشین گوئی کا ایک ایک لفظ حضرت محمد ﷺ پر راست آتا ہے کیونکہ آپ کونے کے سرے کا پتھر یعنی آخری نبی ہیں۔ خدا کی بادشاہی یعنی امامت بنی اسرائیل سے چھین لی گئی اور امتِ مسلمہ کے حوالہ کی گئی۔ آخری نبی سے جو ٹکرایا وہ پاش پاش ہو گیا اور جس پر آخری نبی نے حملہ کیا اس کو پیس کر رکھ دیا۔

یوحنا کی انجیل میں ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ (یوحنا) سے پوچھا کیا تو مسیح ہے تو اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا تو ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے پوچھا:

''کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔'' (یوحنا ۱:۲۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت آپ کی آمد سے قبل ''وہ نبی'' کی حیثیت سے معروف تھی اور جب حضرت مسیح کے بعد سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی نبی کا ظہور نہیں ہوا تو ''وہ نبی'' کا مصداق آپ نہیں تو اور کون؟

ایک اور جگہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے:

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (یوحنا ۱۴:۳۰)

دوسرے مقام پر ہے:

''لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔۔۔۔۔۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔'' (یوحنا ۱۵:۲۶)

اور یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے جس نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ٹھیک ٹھیک گواہی دی یعنی ان کی رسالت کی تصدیق کی، ان کی شخصیت کو صحیح طور سے نمایاں کیا اور ان کی اصل دعوت کو اجاگر کیا۔ ایک اور جگہ ہے:

''لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔'' (یوحنا ۱۶:۱۳)

اور ایک جگہ تو صراحت کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا یعنی اس کی شریعت قیامت تک کے لئے ہوگی:

''وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔'' (یوحنا ۱۴:۱۶)

۲۳۶۔ یعنی یہودیوں پر ان کی سرکشی کی وجہ سے جو چیزیں حرام کر دی گئی تھیں ان کی حرمت اس نبی کے مبعوث ہونے پر ختم کر دی گئی۔ اس نبی کے ساتھ چونکہ ابدی شریعت نازل کی گئی ہے اس لئے صرف وہی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں جو فطری ہیں یعنی صرف ناپاک (خبیث) چیزیں حرام ہیں۔

۲۳۷۔ بوجھ (اصر) سے مراد بنی اسرائیل کے علماء و فقہاء کی وہ فقہی موشگافیاں ہیں جس نے شریعت کو مشکل اور بوجھل بنا دیا تھا اور جس کا اندازہ موجودہ تورات کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اور طوق (اغلال) سے مراد بدعات و توہمات ہیں جس نے انہیں جکڑ رکھا تھا۔

۲۳۸۔ مراد قرآن ہے۔

۲۳۹۔ یعنی بنی اسرائیل ہوں یا بنی اسمٰعیل، عرب ہوں یا عجم، نسل، رنگ، وطن، قوم اور مذہب کی کسی قید کے بغیر تمام انسانوں کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان کے لوگوں کے لئے بھی اسی طرح پیغمبر ہیں جس طرح عربوں کے لئے ہیں۔

۲۴۰۔ کلام کا رخ پھر بنی اسرائیل کی طرف مڑ رہا ہے۔

۲۴۱۔ واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کے جن جرائم اور جن حماقتوں کا اوپر ذکر ہوا وہ یقیناً ان کے قومی جرائم ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے اندر حق پرستوں کا کوئی گروہ موجود نہیں تھا۔ بلکہ ان کے اندر حق پرستوں کا ایک گروہ جو اگر چہ کہ تعداد کے لحاظ سے قلیل تھا ضرور موجود رہا ہے۔ یہ گروہ حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے لوگوں کی رہنمائی اور ان کے درمیان قضائے شرعی کے فرائض انجام دیتا رہا ہے۔

۲۴۲۔ حضرت موسیٰ نے صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کی تنظیم کی تھی اور ان کے بارہ قبیلوں پر جیسا کہ سورۂ مائدہ آیت ۱۲ میں بیان ہوا ہے بارہ سردار مقرر کئے تھے۔

تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ نوٹ ۶۱۔

بائبل میں بھی اس کی تفصیل گنتی باب ۱ میں بیان ہوئی ہے۔

۲۴۳۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۸۱۔ میں گزر چکی۔

۲۴۴۔ اس کی تشریح بھی سورۂ بقرہ نوٹ ۷۶۔ میں گزر چکی۔

○○○○

بقیہ صفحہ ۴۷۷ سے آگے

۲۰۶۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر تیس شب و روز کیلئے طلب کیا تھا تا کہ انہیں ہم کلامی کا شرف بخشا جائے جیسا کہ اس کے بعد کی آیت سے واضح ہے۔ بعد میں اس اعتکاف کی مدت میں اللہ تعالیٰ نے مزید دس دن کا اضافہ کیا یہ گویا اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جو موسیٰ پر ہوا کیونکہ ان کے رب کا ان سے براہ راست کلام کرنا ان کو رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کرنے کے مترادف تھا اسلئے مدت میں اضافہ حضرت موسیٰ کیلئے مزید سعادت کی بات تھی۔ اس واقعہ کا ذکر تورات میں بھی ہے:

"اور موسیٰ گھٹا کے بیچ میں ہو کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہ پہاڑ پر چالیس دن اور چالیس رات رہا۔" (خروج ۲۴:۱۸)

۲۰۷۔ حضرت موسیٰ نے ہارون کو جو نبی تھے اپنی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل کی قیادت کے لئے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

۲۰۸۔ یہ تاکید انہوں نے حضرت ہارون کو کی تھی لیکن دراصل اسکے مخاطب بنی اسرائیل تھے کیونکہ حضرت ہارون تو نبی تھے ان سے بگاڑ کا کیا اندیشہ ہو سکتا تھا البتہ بنی اسرائیل سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ کہیں بگاڑ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾

۱۶۱ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں جا کر رہو ۲۴۵؎ اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور حِطّۃ (استغفار) کہتے جاؤ ۲۴۶؎ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ۲۴۷؎ ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے۔ اور نیک رویّہ اختیار کرنے والوں کو ہم مزید نوازیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

۱۶۲ مگر جو لوگ ان میں ظالم تھے انہوں نے اس بات کو جوان سے کہی گئی تھی بدل کر کچھ اور بنا دیا ۲۴۸؎ بالآخر ہم نے ان کے ظلم کی پاداش میں ان پر آسمان سے عذاب بھیج دیا۔

وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

۱۶۳ اور ان سے اس بستی کا حال پوچھو جو سمندر کے کنارے آباد تھی ۲۴۹؎۔ جہاں سبت کے معاملہ میں ۲۵۰؎ لوگ حد (شرع) سے تجاوز کرتے تھے۔ جب ان کے سبت کا دن ہوتا تھا مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے سامنے آجاتیں اور جب سبت کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اس طرح ہم ان کی نافرمانی کی وجہ سے انہیں آزمائش میں ڈالتے تھے۔ ۲۵۱؎

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

۱۶۴ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (نصیحت کرنے والوں سے) کہا: تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس لئے کہ تمہارے رب کے حضور معذرت کر سکیں اور اس لئے کہ یہ لوگ گناہوں سے بچیں۔ ۲۵۲؎

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

۱۶۵ پھر جب وہ اس نصیحت کو بالکل بھلا بیٹھے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور غلط کار لوگوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ ۲۵۳؎

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

۱۶۶ پھر جب وہ اس کام کو جس سے انہیں منع کیا گیا تھا پوری ڈھٹائی کے ساتھ کرنے لگے تو ہم نے کہا: بندر ہو جاؤ ذلیل و خوار۔ ۲۵۴؎

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

۱۶۷ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کیا تھا کہ وہ قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو ان پر مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے ۲۵۵؎۔ درحقیقت تمہارا رب سزا دینے میں بہت تیز ہے اور معاف کرنے والا رحم فرمانے والا بھی ہے۔

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾

۱۶۸ اور ہم نے ان کو گروہوں میں تقسیم کر کے زمین میں منتشر کر دیا ۲۵۶؎۔ کچھ ان میں نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف۔ اور ہم انہیں اچھی اور بُری حالتوں میں ڈال کر آزماتے رہے تاکہ وہ رجوع کریں۔

۲۴۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۷۷۔

۲۴۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۷۹۔

۲۴۷۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۷۸۔

۲۴۸۔ یعنی بجائے اس کے کہ شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے ہوئے ان کی زبان پر کلمۂ استغفار ہوتا انہوں نے متکبرانہ انداز میں مضحکہ خیز باتیں کہنا شروع کیں۔

۲۴۹۔ یہ جس بستی کا ذکر ہو رہا ہے اس سے مراد مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک اَیلہ شہر ہے جو خلیج عقبہ کے کنارے واقع ہے اور جس کا جدید نام عقبہ ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کا ایک گروہ آباد تھا اور جس واقعہ کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت موسیٰ کے بعد کا ہے۔

۲۵۰۔ سبت یعنی سنیچر کا دن بنی اسرائیل کے لئے مقدس ٹھہرایا گیا تھا اور اس دن انہیں کام کرنے سے منع کیا گیا تھا جس میں شکار کرنا بھی شامل تھا گویا یہ دن عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ سبت کی حرمت کے سلسلہ میں انہیں نہایت سخت احکام دئے گئے تھے۔ تورات میں ہے:

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دینا کہ تم میرے سبتوں کو ضرور ماننا۔۔۔۔۔ پس تم سبت کو ماننا اسلئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم میں سے کاٹ ڈالا جائے۔'' (خروج ۳۱: ۱۲ تا ۱۴)

۲۵۱۔ جب کسی گروہ کا میلان کسی گناہ کی طرف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے گناہ میں مبتلا ہونے کے مواقع پیدا کر دیتا ہے تا کہ اس کے دل کا کھوٹ ظاہر ہو جائے۔ اور اس کی مجرمانہ ذہنیت کھل کر سامنے آجائے۔ یہ اس حکمت کا تقاضا ہے جس کے تحت انسان کو امتحان سے گزارا جا رہا ہے۔

سبت کی بے حرمتی کا رجحان جب بنی اسرائیل کے اس گروہ میں بڑھ گیا جو سمندر کے کنارے آباد تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت آزمائش میں ڈالا اور اس کی صورت یہ ہوئی کی کہ سنیچر ہی کے دن مچھلیاں سطحِ آب پر آنے لگیں۔ اور دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ جن لوگوں کی ساری دلچسپیاں ''معاش'' سے وابستہ تھیں وہ سبت کے احکام کی پروانہ کرتے ہوئے مچھلیوں کا شکار کرنے لگے۔ اس طرح سبت کی بے حرمتی اجتماعی طور پر ہونے لگی۔

۲۵۲۔ یعنی اگرچہ کہ شہر کی آبادی سرکشی پر اُتر آئی تھی لیکن ان میں ایک گروہ ایسا ضرور رہا جس کے اندر خدا کا خوف تھا اور جو سبت سے متعلق شرعی احکام کی خلاف ورزی سے باز رہا۔ صالحین کے اس گروہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو سبت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو نصیحت کرنا بے سود سمجھتے تھے اس لئے کہ ان کی ڈھٹائی کی وجہ سے وہ ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ لیکن ان صالحین میں ایک تعداد ایسی بھی تھی جس کو اپنے فرض کی ادائیگی کا کماحقہ احساس تھا یہ لوگ اخیر وقت تک برائی سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہے۔

۲۵۳۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ عذاب کا شکار وہی لوگ ہوئے جو نافرمان تھے۔ اور جو لوگ برائی سے روک رہے تھے وہ عذاب کی زد میں نہیں آئے رہا یہ سوال کہ صالحین کے گروہ میں سے جو لوگ غلط کار لوگوں کی اصلاح کی طرف سے مایوس تھے اور انہیں نصیحت کرنا بے سود سمجھتے تھے وہ آیا بچا لئے گئے یا عذاب کی لپیٹ میں آگئے؟ تو اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے لیکن ہم درج ذیل دلائل کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عذاب سے محفوظ رہنے والوں میں شامل تھے:

۱) انہوں نے یہ جو کہا تھا کہ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خدا سے ڈرنے والے لوگ تھے۔ پھر خدا سے ڈرنے والوں کا انجام سرکشوں جیسا کس طرح ہو سکتا ہے؟

۲) انہوں نے جو بات کہی اس کا مطلب یہ کہاں نکلتا ہے کہ انہوں نے برائی کے خلاف سرے سے آواز اٹھائی ہی نہیں تھی یا وہ نہیں چاہتے تھے کہ برائی کرنے والوں کو کوئی روکے، بلکہ ان کی بات کا اصل نشانہ وہ لوگ تھے جو برائی کا ارتکاب کر رہے تھے۔ انہوں نے جس مایوسی کا اظہار کیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ برائی کا ارتکاب کرنے والوں کو اس سے روکنے کی کوشش ایک حد تک کی جا چکی تھی لیکن جب وہ اس سے باز نہیں آئے تو مزید نصیحت کرنے میں انہوں نے کوئی افادیت

محسوس نہیں کی۔لیکن جولوگ زیادہ فرض شناس تھے انہوں نے اخیر وقت تک نصیحت کا کام جاری رکھا۔اس سے ادائیگی فرض میں دونوں کے درجات کا فرق تو نمایاں ہوتا ہے لیکن یہ بات کہاں نکلتی ہے کہ جولوگ مایوسی کا اظہار کررہے تھے وہ اپنی ذمہ داریوں کی طرف سے بالکل بے پرواتھے اورانہوں نے برائی کے خلاف اظہار نفرت نہیں کیا تھا؟

۳) ان کی طرف سے جو اظہار مایوسی ہوا ہے وہ خود بتاتا ہے کہ انہیں برائی سے شدید نفرت تھی اور جن کو برائی سے شدید نفرت ہو ان کا شمار ان لوگوں میں کس طرح ہوسکتا ہے جو برائی کو انگیز کرنے والے ہوں۔انہوں نے نصیحت کرنے والوں سے جو کچھ کہا وہ ان کی طرف سے برائی کے خلاف اظہار نفرت ہی تھا اس لئے ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ برائیوں کے تماشائی بنے ہوئے تھے صحیح نہیں۔

۴) قرآن کا بیان ہے کہ عذاب میں وہی لوگ گرفتار ہوئے جو ظالم اور فاسق تھے۔اور مایوسی کا اظہار کرنے والے نہ ظالم تھے اور نہ فاسق بلکہ صالح لوگ تھے جیسا کہ ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے جو ان کی زبان سے نکلے نیز اس بات سے بھی کہ اگر وہ ظالم اور فاسق ہوتے تو نصیحت کرنے والے سب سے پہلے ان کو نصیحت کرتے لیکن نصیحت کرنے والوں نے ان کو کوئی نصیحت نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ ہم ان غلط کار لوگوں کو اسلئے نصیحت کررہے ہیں تا کہ اپنی ذمہ داریوں سے عنداللہ بری ہوں اور تا کہ یہ غلط کار لوگ اپنی مجرمانہ حرکتوں سے باز آجائیں۔لہٰذا جب مایوسی کا اظہار کرنے والے نہ ظالم تھے اور نہ فاسق تو وہ اس عذاب کے کس طرح مستحق ہوئے جو ظالموں اور فاسقوں کے لئے مخصوص تھا۔

۵) ابن جریر طبری نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس اس آیت کی صحیح توجیہ میں اشکال محسوس کررہے تھے اور اصلاح کی طرف سے مایوس ہونے والوں کے عذاب کی لپیٹ میں آنے کا خیال انہیں اس قدر پریشان کررہا تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اس موقع پر عکرمہ نے جو ان کے شاگرد تھے۔یہ دلیل پیش کی کہ یہ لوگ برائی سے روکنے والے گروہ ہی میں شامل تھے کیونکہ ان کے اس کہنے سے کہ ''تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنیوالا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے'' صاف ظاہر ہے کہ وہ برائی سے نفرت کرتے تھے اور منع کرنیوالوں ہی میں شامل تھے۔یہ دلیل سنکر حضرت ابن عباس اس قدر خوش ہوئے کہ عکرمہ کو ہدیۃً لباس کا ایک جوڑا عنایت فرمایا۔

۲۵۴۔ پہلا عذاب ممکن ہے وبا کی قسم کا رہا ہو اور جب اس سے انہوں نے عبرت حاصل نہ کی تو ان کے چہرے مسخ ہوگئے ہوں اور ان کو بندر بنادیا گیا ہو۔

رہا یہ سوال کہ انسان بندر کس طرح بن سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو خدا مٹی سے انسان بنا سکتا ہے وہ انسان کو بندر کیوں نہیں بنا سکتا؟ اگر عام طور سے ایسا نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا واقعہ کبھی ظہور میں آ ہی نہیں سکتا۔اصل چیز اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت ہے۔اس نے تاریخ انسانی کے اوراق پر عبرتناک سزا کا ایک نقش یہ بھی ثبت کردیا تا کہ آنے والی نسلیں اسے یاد رکھیں۔

واضح رہے کہ اس واقعہ سے نظریۂ آواگون کی تائید کا کوئی پہلو نہیں نکلتا کیونکہ آواگون میں انسان کا جسم ہی نہیں نفس (روح) بھی تبدیل ہوجاتا ہے جبکہ اس واقعہ میں جن لوگوں کو بندر بنایا گیا تھا ان کا نفس (روح) تبدیل نہیں ہوا تھا اور اس پر دلیل قرآن کا یہ بیان ہے کہ انہیں ذلیل وخوار بنایا گیا تھا۔ظاہر ہے ذلت کا احساس تو اسی وقت ان کو ہوسکتا تھا جب کہ ان کے اندر نفسِ انسانی موجود رہا ہو ورنہ اگر ان کا نفس بھی بندر کا نفس بن گیا ہوتا تو ان کو یہ احساس کیونکر ہوسکتا تھا کہ ہم پہلے انسان تھے اور اب ہماری صورتیں مسخ کرکے ہمیں بندر بنادیا گیا ہے۔ظاہر ہے لذت والم اور عزت وذلت کا احساس انسانی نفس ہی کو ہوتا ہے نہ کہ بندر کے نفس کو۔دوسری بات یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ بھی اسی طرح قبروں سے اٹھائے جائیں گے جس طرح دوسرے تمام انسان۔اور ان کو بھی خدا کے حضور حاضر ہونا ہوگا اور اپنے کئے کا بدلہ پانا ہوگا جبکہ نظریۂ آواگون انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے، خدا کے حضور حاضر کئے جانے اور عمل کا بدلہ جنت یا جہنم کی شکل میں پائے جانے کی نفی کرتا ہے۔

۲۵۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کردیا تھا کہ جب ان کا اجتماعی وجود ایک عہد شکن اور سرکش قوم کی حیثیت اختیار کرے گا تو پھر ان کی

ساری شان وشوکت خاک میں مل جائیگی اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے خلاف اٹھاتا رہے گا جو ان کی خوب سرکوبی کرینگے چنانچہ گزشتہ دو ہزار سال کی تاریخ شاہد ہے کہ یہود پر کسی نہ کسی کے ہاتھوں ذلت کی مار پڑتی رہی ہے۔ رہی موجودہ سلطنت اسرائیل تو وہ بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ نزول قرآن کے وقت بھی مدینہ کے اطراف میں قبائلی ریاستیں قائم تھیں لیکن ان کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

۲۵۶؎ یعنی بنی اسرائیل کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ انہیں جو استحکام حضرت سلیمان کے زمانہ تک فلسطین میں حاصل تھا وہ باقی نہیں رہا اور یروشلم کے زوال نے ان کو ایسا پراگندہ کر دیا کہ ان کی مرکزیت باقی نہیں رہی اور وہ زمین کے مختلف حصوں میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہو گئے خیبر، مدینہ اور یمن وغیرہ میں ان کی آبادیاں ان کے قومی انتشار ہی کا نتیجہ تھیں۔

اَیلہ جہاں اصحاب سبت آباد تھے

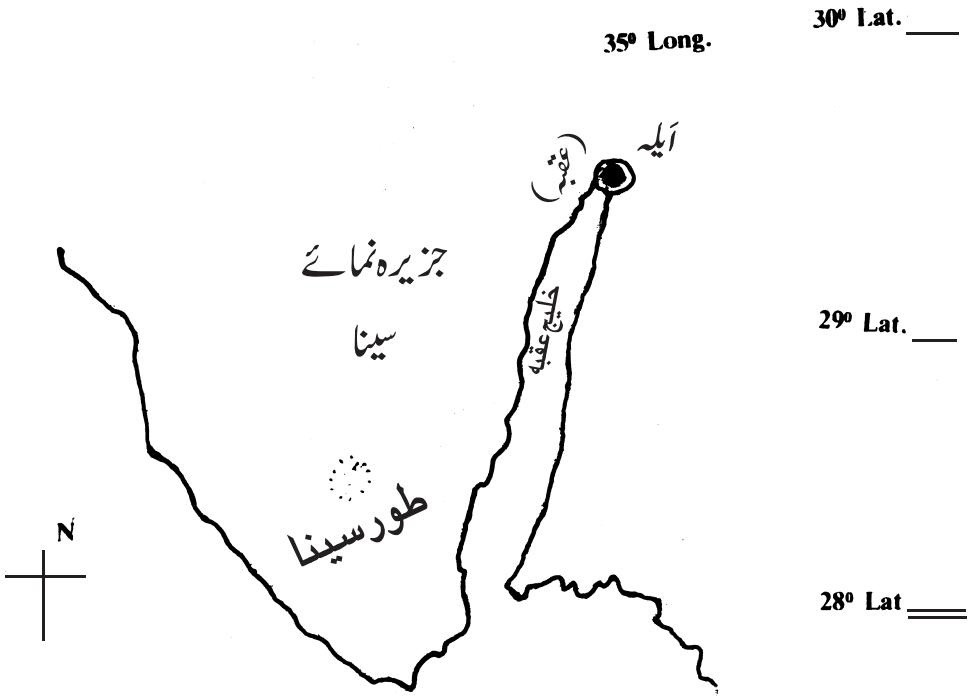

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ
هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ
يَاۡخُذُوۡهُ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى
اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ ؕ
وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيۡعُ
اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ ﴿۱۷۰﴾

وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ۚ
خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۱﴾

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَ
اَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ۛۚ شَهِدۡنَا ۛۚ اَنۡ
تَقُوۡلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷۲﴾

اَوۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۡۢ
بَعۡدِهِمۡ ۚ اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۷۴﴾

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا
فَاَتۡبَعَهُ الشَّيۡطٰنُ فَكَانَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾

وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ
اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثۡ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا
بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾

سَآءَ مَثَلًا ۨ الۡقَوۡمُ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاَنۡفُسَهُمۡ كَانُوۡا
يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِىۡ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۷۸﴾

۱۶۹ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین اور کتاب کے وارث ہوئے جو اس دنیائے دنی کے فائدے بٹورتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں معاف کر دیا جائیگا۔ اور اگر ویسی ہی متاع دنیا پھر ان کو ہاتھ آجاتی ہے تو پھر اسے لے لیتے ہیں ۲۵۷۔ کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ وہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی اور بات منسوب نہ کریں ۲۵۸۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے انہوں نے اچھی طرح پڑھ بھی لیا ہے ۲۵۹۔ آخرت کا گھر تو ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ۲۶۰۔ کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ؟ ۲۶۱۔

۱۷۰ اور جو لوگ کتاب الٰہی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں تو ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔ ۲۶۲۔

۱۷۱ اور یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اٹھایا تھا کہ گویا وہ سائبان ہے اور وہ سمجھ رہے تھے کہ ان پر گرا ہی چاہتا ہے ۲۶۳۔ اس وقت ہم نے انہیں حکم دیا تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم پرہیزگار بنو۔

۱۷۲ اور جب تمہارے رب نے بنی آدمؑ سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر عہد لیا تھا ۲۶۴۔ اور ان کو خود ان کے اوپر گواہ ٹھہرا کر پوچھا تھا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ انہوں نے کہا تھا کہ ہاں ضرور تو ہمارا رب ہے۔ (اور) ہم اس پر گواہ ہیں ۲۶۵۔ (یہ عہد ہم نے اس لئے لیا) تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس (حقیقت) سے بے خبر تھے۔

۱۷۳ یا یہ نہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل سے ہوئے۔ تو کیا باطل پرستوں کی غلط کاری کی پاداش میں تو ہمیں ہلاک کرے گا۔ ۲۶۶۔

۱۷۴ اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ۲۶۷۔ تا کہ وہ رجوع کریں۔

۱۷۵ اور ان کو اس شخص کا حال سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں لیکن اس نے اس جامہ کو اتار دیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ ۲۶۸۔

۱۷۶ اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کی بدولت اسے بلندی عطا کرتے ۲۶۹۔ مگر وہ زمین ہی کی طرف جھک گیا ۲۷۰۔ اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا اسلئے اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ تم اسے جھڑکو تب بھی زبان لٹکائے اور چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے ۲۷۱۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، تو یہ سرگزشتیں لوگوں کو سناؤ ۲۷۲۔ تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ ۲۷۳۔

۱۷۷ بہت بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔

۱۷۸ جسے اللہ ہدایت دے وہی راہ یاب ہے۔ اور جسے گمراہ کر دے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نامراد ہوئے۔

۲۵۷۔ اشارہ ہے یہود کے اخلاقی بگاڑ کی طرف کہ دنیا کے حقیر فائدوں کی خاطر انہیں اخلاقی اور شرعی حدود کو توڑنے میں کوئی باک نہیں رہا، حلال وحرام کی تمیز اٹھ گئی اور متاع دنیا کے وہ ایسے رسیا بن گئے کہ مال بٹورنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے۔ اگر کبھی انہیں یہ خیال آجاتا ہے کہ وہ اس طرح گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں یا جب ان بری حرکتوں پر کوئی انہیں متوجہ کرتا ہے تو وہ یہ کہہ کر اپنے کو مطمئن کر لیتے ہیں کہ ہماری بخشش تو ضرور ہوگی کیونکہ ہم برگزیدہ امت ہیں یا یہ کہ خدا کے فلاں اور فلاں بندوں کے ہم عقیدت مند ہیں اس لئے ان کے طفیل ہماری نجات ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھر انہیں حرام میں ملوث ہونے کا موقع مل جاتا ہے تو پھر وہ اس میں منہ ڈال دیتے ہیں اس طرح ان کی کاروباری اور معاشی زندگی اور درحقیقت پوری زندگی دین سے بے تعلق ہو کر رہ گئی ہے۔

افسوس کہ آج مسلمانوں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہو کر رہ گیا ہے اور فلاں کے ''طفیل'' اور فلاں کے ''صدقہ'' میں بخشے جانے کے تصوّر نے انہیں گناہوں پر ڈھیٹ کر دیا ہے۔

۲۵۸۔ یعنی یہ ان کی خوش اعتقادی اور من گھڑت باتیں ہیں۔ کتاب الٰہی سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور دین میں کوئی اعتقاد یا کوئی بات اپنی طرف سے شامل کرنا اللہ پر جھوٹ بولنا ہے اور یہ اس عہد کی خلاف ورزی ہے جو تورات میں ان سے لیا گیا تھا:

''تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیوں کہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔'' (خروج ۲۰:۷)

''جس بات کا میں حکم کرتا ہوں تم احتیاط کر کے اس پر عمل کرنا اور تو اس میں نہ کچھ بڑھانا اور نہ اس میں سے کچھ گھٹانا۔'' (استثناء ۱۲:۳۲)

۲۵۹۔ یعنی جب انہوں نے کتاب الٰہی کے احکام وہدایات کو اچھی طرح پڑھ لیا ہے تو پھر وہ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے کیا کتاب الٰہی محض تلاوت اور حفظ کے لئے ہے؟ یہ یہود کا حال تھا اور آج مسلمانوں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے وہ قرآن کی تلاوت اور حفظ ہی کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور عمل سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

۲۶۰۔ یعنی جو دنیا کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ آخرت کو اپنا نصب العین بناتے ہیں اور دنیا سے فائدہ اٹھانے میں شرعی حدود کا خیال رکھتے ہیں اور پرہیزگاری کی زندگی گزارتے ہیں۔

۲۶۱۔ معلوم ہوا کہ کتاب الٰہی سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے ہے نہ کہ محض رٹنے کے لئے۔

۲۶۲۔ اشارہ ہے اہل کتاب کے اس گروہ کی طرف جو عام بگاڑ کا اثر قبول کئے بغیر کتاب الٰہی کی مخلصانہ پیروی کر رہا تھا اور لوگوں کی اصلاح کے لئے کوشاں تھا۔ بعد میں جب ان لوگوں کے سامنے قرآن کی دعوت آگئی تو انہوں نے اس پر لبیک کہا۔

۲۶۳۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۸۸۔ میں گزر چکی۔ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

''اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ سے نیچے آکھڑے ہوئے اور کوہِ سینا اوپر سے نیچے تک دھویں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا جو تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر اٹھ رہا تھا اور پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔'' (خروج ۱۹:۱۸)

مگر قرآن کا واضح بیان یہ ہے کہ پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھا دیا گیا تھا اگر زلزلہ کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی ان کے سروں پر معلق کر دی گئی ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ عالمِ اسباب پر اللہ ہی کی حکمرانی ہے اور جب اس کی حکمت متقاضی ہوتی ہے وہ غیر معمولی واقعات ظہور میں لاتا ہے جس سے اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کا نظام خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ اس پر ایک زبردست طاقت حکمراں ہے اور وہ جب چاہے اس کے نظام میں تغیر وتبدّل پیدا کر سکتا ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ عقل وفہم کے لحاظ سے ایک ناپختہ قوم تھی اس لئے ان کے سامنے محسوس نشانیوں کا ظہور بار بار ہوتا رہا۔

۲۶۴۔ یہ واقعہ آدمؑ کی پیدائش کے بعد اور دنیا میں نسل کا سلسلہ جاری ہونے سے پہلے پیش آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی جانوں کو بیک وقت حاضر کر کے ان کو شعور بخشا تھا اور ان سے وہ وعدہ لیا تھا، جس کا ذکر ان آیات میں ہوا ہے۔ یہ انسانی جانوں کا اجتماع تھا جس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے اس لئے نہ ہم اس کی کیفیت سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس کی تفصیلات کو جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ لہٰذا سلامتی کی راہ یہ ہے کہ قرآن کے اجمالی

بیان پر اکتفا کیا جائے۔

رہے منکرین کے شکوک وشبہات تو اس واقعہ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ناممکن یا خلافِ عقل ہو بلکہ جدید سائنسی انکشاف کے پیش نظر یقین پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا ہوگا۔علم حیاتیات (Biology) نے انسان کو تولید کے سلسلہ میں اس اہم حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ انسان کے جسم سے ایک وقت میں جو مادۂ تولید خارج ہوتا ہے اس میں کروڑہا جرثومۂ حیات (Spermatozoa) ہوتے ہیں۔یعنی چند قطروں کے اندر اتنی بڑی تعداد میں انسان پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔پھر ہر جرثومہ (خلیہ) میں ۲۳ جوڑی کروموزمس (Chromosoms) ہوتے ہیں۔یہ کروموزمس اپنے اندر موروثی خصوصیات لئے ہوئے ہوتے ہیں۔یعنی باپ کی خصوصیات بچہ کی طرف ان ہی کے ذریعہ منتقل ہوجاتی ہیں۔اب اگر یہ ممکن ہے کہ ایک قطرۂ آب میں ایک انسانی دنیا چھپی ہوئی ہو تو یہ کیوں ناممکن ہے کہ پوری نسلِ انسانی کو وجود میں لانے والے جراثیم حیات آدمؑ کی پشت میں ودیعت کردئے گئے ہوں اور ان میں شعور کی خصوصیت بھی بنیادی طور پر موجود ہو؟ اور اس میں خلاف عقل بات کیا ہے کہ ان جراثیم حیات (نفوس) کو ان کے خالق نے آدمؑ کی پشت سے نکال کر ان کے دبے ہوئے شعور کو اس وقت ابھارا ہو اور ان سے عہد لینے کے بعد ان کو پھر آدمؑ کی پشت میں لوٹا دیا ہو، تاکہ اس ذخیرہ سے نسلِ انسانی کا سلسلہ اپنی بنیادی خصوصیت کے ساتھ جاری رہے؟

واضح رہے کہ متن میں آدمؑ کی پیٹھ اور آدمؑ کی ذریت کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ مِنْ بَنِی اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ استعمال ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ پشت در پشت جو نسلیں پیدا ہونے والی تھیں ان کی تصویر سامنے آجائے نیز چونکہ یہاں لفظ اَخَذَ عہد لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو آدمؑ کی تمام اولاد سے لیا گیا تھا اس لئے مِنْ بَنِی اٰدَمَ (بنی آدمؑ سے) کے الفاظ موزوں ہوئے۔آیت میں چند الفاظ محذوف ہیں اگر ان کو کھول دیا جائے تو ترکیب یوں ہوگی (مِنْ بَنِی اٰدَمَ مِیْثَاقًا وَ اَخْرَجَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذریتهم)

آدمؑ کو ان کی اولاد میں سے جن ممتاز شخصیتوں کے نام بتائے گئے تھے وہ بھی نوع انسانی کے اس اجتماع کے موقع ہی کی بات ہے جیسا کہ سورۂ بقر نوٹ ۴۴ میں گزر چکا۔ واللہ اَعْلَمُ باسرار کلامہ۔

۲۶۵ ۔ یہ اللہ کی ربوبیت کا عہد تھا جو انسانی جانوں سے ان کو جسمانی وجود بخشنے سے پہلے ہی لیا گیا تھا تاکہ ان کے شعور (Consciousness) میں یہ بات اچھی طرح پیوست ہوجائے کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوئے ہیں اور نہ اپنی ذات میں آزاد و مختار ہیں بلکہ ان کا ایک خالق، پروردگار، مالک اور حاکم ہے اور وہ ہے اللہ۔اس حقیقت کے اعتراف کا مطلب لازماً یہ تھا کہ انہوں نے اپنی یہ حیثیت تسلیم کرلی تھی کہ وہ اللہ کے بندے، اسی کے پرستار اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔

اب اس عہد کا انکار انسان یہ کہہ کر نہیں کرسکتا کہ یہ عہد کب لیا گیا تھا اور کہاں لیا گیا تھا مجھے کچھ یاد نہیں واقعہ یہ ہے کہ چونکہ اس کی دنیا میں آزمائش مطلوب ہے اس لئے جہاں تک اس عہد کے خارجی پہلوؤں کا تعلق ہے یعنی محل وقوع، وقت وغیرہ تو اس کی یاد شعور سے محو کردی گئی ہے۔اگر وہ باقی رکھی جاتی تو امتحان کا مقصد ہی فوت ہوجاتا لیکن اس کے داخلی پہلو کو انسان کی فطرت کے اندر پیوست کردیا گیا چنانچہ ہر شخص اپنے خالق کو فطرۃً پہچانتا ہے اس کا وجدان اس کے الٰہ واحد ہونے کی شہادت دیتا ہے اور اس کا ضمیر اس کی نافرمانی (برائی) پر اسے ٹوکتا اور ملامت کرتا ہے غرضیکہ یہ عہد فطرت ہے جو لوح دل پر کندہ ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انسان اس عہد سے بالکل بے خبر ہے۔کیا کوئی شخص یہ بتا سکتا ہے کہ جب وہ بالکل طفل تھا تو اسے بولنا کس نے سکھایا؟ ظاہر ہے یہ بات کسی کو بھی یاد نہیں لیکن وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس کے ماں باپ، عزیز و اقارب یا اس کی پرورش کرنے والوں میں کوئی ضرور ایسا رہا ہے جس نے اسکو ابتدائی طور پر اشیاء کے نام سکھائے الفاظ کو ایک ایک کرکے ادا کرنا سکھایا اور اس کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوسکا۔اس کے حافظہ سے یہ سب تفصیلات محو ہوچکی ہیں مگر اس کا بولنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ بچپن میں کسی نہ کسی نے اس کو بولنا ضرور سکھایا ہے۔پھر کیا اپنے خالق و مالک کے بارے میں فطرت انسانی کی آواز خواہ وہ کتنی ہی دبی ہوئی کیوں نہ ہو اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کو اس کے رب کی معرفت کا پہلا سبق اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی پڑھایا جاچکا ہے۔

اسی حقیقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ''ہر بچہ فطرت پر یعنی توحید پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے

فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُشَرِّکَانِہٖ۔ یہودی، نصرانی یا مشرک بنا دیتے ہیں۔'' (مسلم کتاب القدر)

اور اسی سبق کی یاددہانی انبیاء علیہم السلام کرتے رہے اس لئے ان کی تعلیمات کو تذکیر یعنی یاددہانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۶۶۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ بنی نوع انسان کا ہر فرد توحید کے معاملہ میں ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن اسے خدا کے حضور اپنے رویّہ کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی خواہ انبیاء علیہم السلام کی تفصیلی دعوت اس تک پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو، عہد فطرت بجائے خود حجت ہے اور توحید کے بنیادی عقیدہ کی حد تک کسی شخص کو بھی قیامت کے دن یہ عذر کرنے کا موقع باقی نہیں رہا کہ وہ اس سے بالکل بے خبر تھا اس لئے اس نے کفر یا الحاد کی راہ اختیار کی تھی یا وہ شرک میں اس لئے مبتلا رہا کہ اسے باپ دادا سے مشرکانہ مذہب یا مشرکانہ کلچر ورثہ میں ملا تھا ورنہ اس نے خود شرک کو قبول کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔

۲۶۷۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ عہد فطرت توحید کی نشانی ہے جو انسان کے نفس میں موجود ہے اور قرآن نے دوسری نشانیوں کی طرح اسے بھی کھول کر بیان کر دیا ہے۔

۲۶۸۔ مراد کوئی متعین شخص نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص ہے جس پر یہ آیت چسپاں ہو۔ خاص طور سے اشارہ بنی اسرائیل کے علماء کی طرف ہے جس کی سرگزشت اوپر گزر چکی۔

آیات عطا کی تھیں یعنی کتاب الٰہی اور اس کا علم بخشا تھا لیکن یہ علماء بھی شیطان کے ہتھے چڑھ گئے۔

۲۶۹۔ اللہ کی آیات ایمان لانے والوں کو رفعت ہی بخشتی ہیں بشرطیکہ وہ ان کی پیروی کریں۔ قرآن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔

''اللہ اس کتاب کے ذریعہ کتنی ہی قوموں کو رفعت عطا کرے گا اور کتنوں کو پستی میں گرائے گا۔'' (مسلم کتاب فضائل القرآن)

۲۷۰۔ یعنی وہ اخلاق و عمل کی پستی کی طرف مائل ہوا۔ اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو پستی کی طرف جانا چاہتا ہو اسے وہ زبردستی بلندی کی طرف لے جائے۔

۲۷۱۔ کُتّا سب سے زیادہ حریص جانور ہے۔ وہ زمین پر سونگھتے ہوئے چلتا ہے کہ کوئی ہڈی کا ٹکڑا مل جائے تو لذت دہن کا کام دے۔ وہ ہمیشہ ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے خواہ کوئی اس کو جھڑکے یا اسے اپنے حال پر چھوڑ دے۔ اسی طرح دنیا کے مفادات کی خاطر اللہ کی آیات کی پابندی سے نکل بھاگنے والے لوگ دنیا کے کتے ہیں۔ ان کی حرص دُنیا کبھی ختم نہیں ہوتی وہ ہمیشہ ہانپتے اور زبان لٹکائے ہی رہتے ہیں ان کی دنیا پرستی پر تم ان کو تنبیہ اور ملامت کرو یا نہ کرو وہ کسی نصیحت کا کوئی اثر قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

۲۷۲۔ مراد قوموں کی وہ سرگزشتیں ہیں جو اس سورہ میں بیان ہوئیں ان سرگزشتوں کو دعوت و اصلاح کے مقصد کے پیش نظر، سنانے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان سچے قرآنی قصوں کو سننے سنانے کا اہتمام بہت کم کیا جاتا ہے البتہ وعظ گو علماء بے سروپا روایتوں کا سہارا لیکر عجیب و غریب قصے بیان کرتے رہتے ہیں اور لوگ سر دھنتے رہتے ہیں کوئی ان علماء سے پوچھے کہ کرنے کا کام کیا ہے اور وہ کر کیا رہے ہیں۔

۲۷۳۔ یعنی جو لوگ سرگزشتوں پر غور و فکر کرتے ہیں وہ ان سے سبق بھی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قوموں کی سرگزشتوں سے آگاہ کرنا مفید ہوگا۔ قرآن کے قصے، قصہ گوئی کے لئے نہیں ہیں بلکہ غور و فکر اور سبق آموزی کے لئے ہیں اور یہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جبکہ قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ بے سمجھے بوجھے پڑھنے سے یہ فائدہ کس طرح حاصل ہوگا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۹ اور ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم ہی کیلئے پیدا کیا ہے ۲۷۴۔ ان کے پاس دل ہیں مگر ان سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے ۲۷۵، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، ان کے پاس کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ۲۷۶۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۲۷۷

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

۱۸۰ اور اللہ کے لئے تو اچھے ہی نام ہیں ۲۷۸۔ لہٰذا اسے ان ہی ناموں سے پکارو ۲۷۹۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں کجروی (ٹیڑھ پن) اختیار کرتے ہیں ۲۸۰۔ وہ جو کر رہے ہیں اس کا بدلہ انہیں ضرور ملے گا۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

۱۸۱ اور ہماری مخلوق میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے مطابق رہنمائی کرتا ہے اور اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ ۲۸۱

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

۱۸۲ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے انہیں ہم بتدریج اس طرح برے انجام کی طرف لے جا رہے ہیں کہ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں ہے۔ ۲۸۲

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

۱۸۳ میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں کہ میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے۔ ۲۸۳ وہ تو کھلے طور پر خبردار کرنے والا ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے نظامِ حکومت پر اور ان چیزوں پر جو اللہ نے پیدا کی ہیں غور نہیں کیا۔ اور یہ نہیں سوچا کہ ان کا مقررہ وقت قریب آ گیا ہو ۲۸۴۔ پھر اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ ۲۸۵

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

۱۸۶ جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

۱۸۷ وہ تم سے اس گھڑی (قیامت) کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئیگی؟ کہو اس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے۔ وہی اس کو اسکے وقت پر ظاہر کریگا۔ آسمان اور زمین میں وہ بوجھ بن گئی ہے ۲۸۶۔ وہ تم پر اچانک آئیگی ۲۸۷۔ تم سے وہ اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ اس کا وقت تمہیں معلوم ہی ہے ۲۸۸۔ کہو اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۲۸۹

۲۷۴۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بہت سے جنوں اور انسانوں کو اللہ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی ہی نہیں تھی اور انہیں ہدایت اور گمراہی کی راہوں میں سے اپنی پسند کے مطابق کوئی راہ اختیار کرنے کی آزادی حاصل نہیں تھی اور ان کو جبراً گمراہی کی راہ پر چلا کر جہنم میں پہنچا دیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب انھوں نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ضائع کر دی اور گمراہی کو پسند کر کے اسی راہ پر چل پڑے تو انجام کار ابدی عذاب بھگتنے کے لئے جہنم میں پہنچ گئے۔ اس طرح ان کا مقصد تخلیق جہنم قرار پایا۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی استاذ اپنے شاگرد سے، جو محنت سے جی چرانے کی وجہ سے ناکام ہوا، کہہ دے کہ میں نے تجھے اسی لئے پڑھایا کہ تو ناکام ہوجائے۔ ظاہر ہے استاذ کے کہنے کا یہ منشاء ہر گز نہیں کہ اس نے شاگرد کو ناکام بنانے کے لئے پڑھایا تھا بلکہ یہ اس کی طرف محض غصہ کا اظہار ہے کہ میں نے تجھے پڑھایا کہ تو کامیاب ہوجائے لیکن تو نے محنت نہیں کی اور ناکام رہا اس لئے میرے پڑھانے کا کوئی فائدہ تجھے نہیں پہنچ سکا اس آیت میں بھی جو بات کہی گئی ہے وہ نتیجہ کے لحاظ سے کہی گئی ہے نہ کہ گمراہی کی طرف زبردستی دھکیلنے کے معنیٰ میں۔

۲۷۵۔ دل (قلب) سے مراد عقل ہے عربی میں عقل کو قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ عربی کی سب سے بڑی لغت لسان العرب میں ہے :

''وَقَدْ يُعَبَّرُ بِالْقَلْبِ عَنِ الْعَقْلِ'' ''کبھی عقل کو قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے''

(لسان العرب ج ۱ ص ۶۸۷)

۲۷۶۔ جہاں تک جسمانی آنکھ، کان اور دل کا تعلق ہے وہ انسان اور جانور دونوں میں ہوتے ہیں لیکن جو قوتِ بصارت، قوتِ سماعت اور قوتِ فہم انسان کو عطا ہوئی ہے وہ جانوروں کو عطا نہیں ہوئی۔ دونوں کے درمیان یہ بہت بڑا امتیازی فرق ہے اور اسی بنا پر انسان جانوروں پر فوقیت رکھتا ہے لیکن جو لوگ ان قوتوں کا استعمال نہیں کرتے وہ اپنے کو جانوروں کی سطح پر لے آتے ہیں بلکہ اس سے بھی پست سطح پر۔ کیونکہ جانوروں میں تو یہ اعلیٰ قوتیں ودیعت ہی نہیں ہوئی ہیں لیکن انسان نے ان قوتوں کو پا کر بھی ان کا صحیح استعمال نہیں کیا اور اپنے کو پستی کی طرف دھکیل دیا جبکہ جانور جہاں تھا وہیں رہا۔

۲۷۷۔ یعنی انہیں کچھ خبر نہیں کہ انہیں دنیا میں کس نے بھیجا ہے، کیوں بھیجا ہے اور اسے جانا کہاں ہے، عقل کے بڑے بڑے سورماؤں کی اپنے وجود اور مقصدِ حیات کے بارے میں یہ مجرمانہ غفلت کس قدر حیرت انگیز ہے۔

۲۷۸۔ یعنی اللہ کے لئے ایسے نام ہیں جو اپنے معنیٰ و مفہوم کے لحاظ سے بہتر اور اشرف ہیں جو اس کے پاک اور منزّہ ہونے نیز اس کی عظمت اور اس کے کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن میں لفظ اللہ اسم ذات کے طور پر استعمال ہوا ہے اور الرحمن، الرحیم، الخالق، الملک، الرزاق، العزیز، العلیم وغیرہ اسمائے صفت کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان تمام ناموں میں معنیٰ کا حسن بدرجۂ اتم موجود ہے۔

۲۷۹۔ بالفاظ دیگر اسے ایسے ناموں سے نہ پکارو جس سے اس کی ذات یا صفات میں نقص کا کوئی پہلو نکلتا ہو یا جو خلاف ادب ہو۔ عربی میں تو اللہ کو پکارنے کے لئے قرآنی نام کافی ہیں رہا دوسری زبانوں کا مسئلہ تو اللہ کے لئے ناموں کے انتخاب میں اس اصولی ہدایت کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا ہوگا جو اس آیت میں دی گئی ہے۔ اس معاملہ میں محتاط رہنا بہت ضروری ہے ورنہ شرک کی راہوں کے کھل جانے کا اندیشہ ہے۔

۲۸۰۔ اللہ کے ناموں میں کجروی اختیار کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کے لئے ایسے نام یا صفات تجویز کرنا جن میں نقص اور عیب کا پہلو ہو۔ جو نام خدا کو مخلوق پر قیاس کر کے رکھے جاتے ہیں ان کا شمار اسی میں ہے مثلاً خدا کو باپ (Father) کہہ کر پکارنا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خدا کی صفات کو الگ الگ ذاتیں مان کر ہر صفت کو ایک دیوی یا دیوتا تصوّر کرنا اور اس مناسبت سے ان کے نام تجویز کرنا مشرکینِ ہند نے یہیں ٹھوکر کھائی ہے۔ چنانچہ انھوں نے خدا کی ہر صفت کو ایک دیوی یا دیوتا فرض کر لیا ہے مثلاً خدا کی صفت علم کو انھوں نے علم کی دیوی ٹھہرا کر اس کا نام سرسوتی (Sarasvati, the goddes of knowledge) رکھا ہے:

" and the one in whom such knowledge is sustained is Sarasvati " (Regveda Samhita Vol.I P. 170)

اس طرح انہوں نے اللہ کی صفت ربوبیت کے لئے ایک دیو، گڑھ کر اس کا نام وشنو (विष्णू) رکھا ہے۔ اور اللہ کی صفت ذوانتقام (سزا دینے والا) کے لئے ایک دیوتا فرض کر کے اس کا نام شیو (शिव) رکھا ہے۔ نیز اللہ کے رزاق ہونے کی صفت کو مختلف دیوتاؤں میں تقسیم کر کے دولت کی ایک دیوی فرض کر لی ہے اور اس کا نام لکشمی (लक्ष्मी) رکھا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی ایسی فلسفیانہ توجیہ کرنا کہ متعدد خداؤں کے لئے گنجائش نکل آئے مثلاً ایک میں تین کا عقیدہ یا مشرک فلاسفروں کی یہ توجیہہ کہ ہندو گو متعدد دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک ہی خدا کی پرستش کرتے ہیں:

" The Hindu, it is true bows his head before many , a form of the Diety on that account ,however. he is not to be dubbed polytheist. what the Hindu adores is the one God in the many gods .

(Out lines of Hinduism - T. M .P. Mahadeva P. 24)

اللہ کے اسماء یا صفات کے بارے میں اس قسم کی فلسفیانہ بحثوں میں الجھنا بیکار ہے۔ خدا کی معرفت حاصل کرنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو قرآن نے بتلایا ہے یعنی کج بحثی سے احتراز کرتے ہوئے سیدھے سادے طریقہ پر اللہ کی صفات کو ماننا۔ یہ صفات قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی ہے کہ اللہ کے ناموں کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ نہ الجھیں جنھوں نے انحراف کی راہ اختیار کی ہے۔ بالفاظ دیگر جن لوگوں نے فلسفیانہ بحثیں کھڑی کر دی ہیں ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خدا کی صفات کے بارے میں فلسفیانہ بحثیں گمراہی کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔

۲۸۱۔ یعنی خدا کی مخلوق میں سب ہی لوگ گمراہی پھیلانے والے نہیں بلکہ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

۲۸۲۔ یعنی وہ یہ سمجھ کر کہ ہمارے لئے خیریت ہی خیریت ہے چین کی بانسری بجا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کی طرف دھکیل رہا ہے۔

۲۸۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ تکویر نوٹ ۲۵۔

۲۸۴۔ یعنی موت کا وقت۔

۲۸۵۔ یعنی ان واضح دلائل اور ان کی مکمل تنبیہات کے بعد اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو اس سے زیادہ مدلل اور خبردار کرنے والی تعلیم اور کون سی ہو سکتی ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟

۲۸۶۔ جس طرح حاملہ حمل سے بوجھل ہو جاتی ہے اور نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کب اس کا وضع حمل ہوگا اسی طرح آسمان وزمین قیامت کے بوجھ سے بوجھل ہو رہے ہیں اور نہیں معلوم کہ کب ان کے بطن سے قیامت نمودار ہو۔

اس سے واضح ہوا کہ قیامت خارج سے مسلّط ہونے والی چیز نہیں بلکہ کائنات کے اندر ہی سے ابھرنے والی چیز ہے۔ اس کا لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے اور عنقریب وہ پھٹ کر زبردست حادثہ کی صورت اختیار کرنے والا ہے۔ زمین مظلوموں کے خون سے رنگین ہو گئی ہے اور آسمان ان کی آہوں سے بھر گیا ہے۔ حق وباطل کی کشمکش جو ہزار ہا سال سے چلی آ رہی ہے وہ انصاف کو آواز دے رہی ہے۔ یہ آواز ہر وہ شخص سن رہا ہے جو گوش حقیقت نیوش رکھتا ہے۔ اسے زمین سے بلند ہونے والی یہ صدا بھی سنائی دیتی ہے کہ فرمانروائے کائنات اپنا تختِ عدالت زمین پر بچھانے کو ہے اور آسمان سے نشر ہونے والا یہ پیغام بھی سنائی دیتا ہے کہ انصاف کی ترازو قائم ہونے کو ہے۔

۲۸۷۔ قیامت کے آثار تو روز بروز ظاہر ہوتے ہی جا رہے ہیں لیکن اس کا ٹھیک وقت اللہ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں۔ وہ تو اچانک آدھمکے گی جب کہ انسان

اس سے بالکل غافل ہوگا۔حدیث میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

وَ لَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَ قَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَ لَا يَطْوِيَانِهِ وَ لَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَ قَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ وَ لَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَ هُوَ يَلِيْطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيْهِ ، وَ لَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَ قَدْ رَفَعَ اَحَدُكُمْ اُكْلَتَهُ اِلٰى فِيْهِ فَلَا يَطْعَمُهَا (بخاری کتاب الرقاق)

''قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ دو آدمیوں کے درمیان خرید وفروخت کا معاملہ ہو رہا ہوگا جس کے لئے وہ کپڑا کھولے ہوئے ہوں گے اور یہ معاملہ ابھی پورا بھی نہیں ہو سکا ہوگا اور نہ وہ کپڑے کو لپیٹ پائیں گے کہ قیامت کھڑی ہو جائے گی۔ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر لوٹ رہا ہوگا وہ ابھی پینے بھی نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ایک شخص اپنے حوض کی مرمت کر رہا ہوگا اور ابھی پانی بھر بھی نہ سکا ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور کسی شخص کا حال تو یہ ہوگا کہ وہ اپنا لقمہ منہ میں ڈال رہا ہوگا لیکن کھانے بھی نہ پائے گا کہ قیامت کی گھڑی قائم ہوگی۔''

۲۸۸؎ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ قیامت کا ٹھیک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھا۔حدیث میں آپ نے قیامت کے سلسلہ میں جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ اس کے آثار ہیں نہ کہ وقت کا تعین۔

۲۸۹؎ یعنی اس بات کو نہیں جانتے کہ قیامت کا وقت ان باتوں میں سے ہے جس کا علم اللہ ہی کو ہے اور اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کا وقت کسی پر بھی ظاہر نہ کیا جائے۔اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ اس سوال کو دہراتے رہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

۱۸۸ کہو میں اپنی ذات کیلئے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ ۲۹۰؎ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا ۲۹۱؎۔ میں تو بس خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹ وہی ہے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اسکا جوڑا بنایا ۲۹۲؎ تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ پھر جب وہ اسے ڈھانک لیتا ہے ۲۹۳؎ تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے جسے لئے ہوئے وہ چلتی ہے۔ پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں اللہ سے کہ ان کا رب ہے، دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں بھلی چنگی اولاد عطا فرمائی تو ہم تیرے شکر گزار ہونگے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

۱۹۰ پھر جب اللہ ان کو بھلی چنگی اولاد عطا فرماتا ہے تو اسکی اس بخشش میں وہ دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں ۲۹۴؎۔ اللہ برتر ہے ان کی ان مشرکانہ باتوں سے۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

۱۹۱ کیا یہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں۔

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

۱۹۲ اور نہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۳ اگر تم انہیں رہنمائی کے لئے پکارو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں ۲۹۵؎۔ تمہارے لئے یکساں ہے خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

۱۹۴ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں۔ ۲۹۶؎ ان کو پکارو، دیکھو وہ تمہاری پکار کا جواب دیں ۲۹۷؎۔ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو (کہ وہ خدا ہیں)۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

۱۹۵ کیا ان کے پاؤں ہیں کہ ان سے چلیں؟ ان کے ہاتھ ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ ان کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھیں؟ ان کے کان ہیں کہ ان سے سنیں؟ ۲۹۸؎ کہو بلاؤ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پھر میرے خلاف کاروائی کر دیکھو اور مجھے مہلت نہ دو۔ ۲۹۹؎

اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

۱۹۶ میرا مددگار تو اللہ ہے جس نے یہ کتاب اُتاری ہے۔ اور وہ نیکوکاروں کی مدد کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

۱۹۷ مگر جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

۱۹۸ اگر تم انہیں رہنمائی کے لئے پکارو تو وہ تمہاری بات سن بھی نہیں سکتے ۳۰۰؎۔ تمہیں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف تک رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے کچھ بھی نہیں۔ ۳۰۱؎

۲۹۰۔ جب نبی اپنی ذات کے لئے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تو وہ دوسروں کو کیا نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے اور جب یہ بات نبی کے اختیار میں نہیں ہے تو اولیاء کے اختیار میں کس طرح ہوسکتی ہے۔ پس حاجت روائی کے لئے کسی نبی یا ولی کو پکارنا ایک مہمل بات کے سوا کچھ نہیں۔ ان کو پکارنے سے حاجت پوری ہونے سے تو رہی البتہ پکارنے والا شرک کا مرتکب ضرور ہوگا۔

۲۹۱۔ یہ واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذاتی حیثیت میں نقصانات پہنچتے رہے ہیں۔ اگر آپ کو غیب کا علم ہوتا تو آپ پہلے ہی جان لیتے کہ فلاں چیز سے نقصان پہنچنے والا ہے اور اس بنا پر آپ اس سے بچنے کی تدبیر کرتے۔ مگر ایسا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو غیب کا علم نہیں تھا البتہ جہاں تک فریضۂ رسالت کی ادائیگی کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر غیب کی وہ باتیں ضرور کھول دی تھیں جو عام انسانوں پر نہیں کھولی جاتیں۔ قیامت کا وقت بتانا فریضۂ رسالت میں شامل نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا علم آپ کو نہیں بخشا۔

۲۹۲۔ اس کی تشریح سورہ نساء نوٹ ۳۔ میں گزر چکی۔

آدم علیہ السلام سے حوا کی پیدائش کسی تاویل کی محتاج نہیں ہے۔ علم الحیات (Biology) کے انکشافات کے پیش نظر بعض جاندار ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو واحد خلیہ (Single - Celled) ہوتے ہیں اور خود بخود دو حصّوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں مثلاً امیبا (Amoeba) اس لئے اگر آغاز میں ایک متنفس سے اس کا جوڑا یعنی آدمؑ سے حوا کو پیدا کر دیا گیا ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

۲۹۳۔ انسان کا جو پہلا جوڑا پیدا کیا گیا اس کا ذکر کرنے کے بعد اب انسان کے عام جوڑوں یعنی مرد وعورت کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۲۹۴۔ یعنی جب اللہ ان کو بھلی چنگی اولاد دے دیتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اس کے شکر گزار بن جائیں اس کو کسی دیوی یا کسی ولی یا کسی بزرگ کی عنایت قرار دیکر ان کو نذریں اور نیازیں پیش کرنے لگتے ہیں اور چڑھاوے چڑھانے کے لئے کوئی مندر کا رخ کرتا ہے تو کوئی درگاہ کا۔ پھر بچہ کا نام بھی مشرکانہ رکھا جاتا ہے۔ مشرکین مکہ اگر عبدالعزیٰ (عزیٰ دیوی کا بندہ) عبدالشمس (سورج دیوتا کا بندہ) رکھتے تھے تو مشرکین ہند رام داس (رام کا بندہ)، گوکل داس (گوکل دیو کا بندہ) اور بدعتی مسلمان عبدالرسول (رسول کا بندہ) حسین بخش (حسین کا بخشا ہوا)، غلام غوث (غوث عبدالقادر جیلانی کا غلام) وغیرہ رکھتے ہیں۔

۲۹۵۔ یعنی یہ بت کیا تمہاری رہنمائی کر سکتے ہیں؟ اگر تم انہیں رہنمائی کے لئے پکارو تو تمہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ انہیں اس مقصد کے لئے پکارنا یا نہ پکارنا یکساں ہے۔ پھر جب وہ تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتے اور تمہیں یہ نہیں بتا سکتے کہ کامیابی کی راہ کون سی ہے اور ناکامی کی کونسی تو وہ خدا کیونکر ہوئے۔ کیا خدا ایسا بھی ہوتا ہے جس میں رہنمائی کی سرے سے صلاحیت ہی نہ ہو اور جو مٹی کا مادھو ہو؟

۲۹۶۔ بت پرست اپنے بتوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اصلاً ان کے مزعومہ خداؤں مثلاً جن، فرشتوں، گزری ہوئی انسانی شخصیتوں وغیرہ کی علامتیں اور تصویریں ہیں۔ اس لئے بتوں کی پرستش دراصل ان خداؤں کی پرستش ہے۔ قرآن نے ان دونوں باتوں پر گرفت کی ہے۔ اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ تمہارے ہی طرح بندے ہیں تو اس سے اشارہ ان کے اصل معبود یعنی جنوں اور اشخاص وغیرہ کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہوں یا فرشتے، اشخاص ہوں یا ارواح سب خدا کے بندے ہیں۔ خدائی کی صفت کسی میں بھی نہیں۔ رہے ان کی نمائندگی کرنے والے بت تو ان پر گرفت بعد والی آیت میں ہوئی ہے۔

۲۹۷۔ یعنی اگر وہ خدا کے بندے نہیں بلکہ اپنی ذات میں خدا ہیں تو پھر تمہاری پکار کا جواب کیوں نہیں دیتے، تمہارا مقصد زندگی تم پر کیوں نہیں واضح کرتے اور معاملات زندگی میں تمہاری رہنمائی کیوں نہیں کرتے؟

۲۹۸۔ یہ شرک کے مظاہر یعنی بت ہیں جن کو مشرکین نے خدا بنا رکھا ہے۔ اس کی نامعقولیت کو واضح کرنے کیلئے یہاں کچھ سوالات قائم کئے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بت انسانی شکل میں تو بنائے گئے ہیں لیکن ان کے ہاتھ پاؤں، آنکھیں، کان سب دکھاوے کے ہیں۔ ان میں نہ چلنے پھرنے کی طاقت ہے اور نہ پکڑنے کی، نہ قوتِ بصارت ہے اور نہ قوت سماعت پھر یہ خدا کیسے ہوئے؟ مگر جو لوگ عقل کے اندھے ہوتے ہیں ان کو نہ اس بات میں کوئی تامل ہوتا ہے کہ اپنے

خداؤں کو اپنے ہاتھ سے تراشیں اور نہ اس بات میں کہ جن کے اندر خدائی صفت تو درکنار انسانی صفت بھی نہ پائی جاتی ہو ان کو حاجت روا سمجھ کر ان کی پرستش کریں اور نہ ہی انہیں اس لغو حرکت میں ذرا بھی شرم محسوس ہوتی ہے کہ اپنے خداؤں کو اپنے ہاتھوں سمندر میں ڈبو دیں۔

رہی بت پرستوں کی یہ توجیہ کہ بت دراصل خدا پرستی کا ذریعہ ہیں تو یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے کیونکہ بت پرست اول تو ایک خدا پر نہیں بلکہ بہت سے خداؤں پر عقیدہ رکھتے ہیں مزید برآں عملاً وہ بتوں ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور انھیں خدا کا درجہ دیتے ہیں۔

آیت میں بت پرستوں کی حماقت کو جس طرح واضح کیا گیا ہے اس سے ملتا جلتا مضمون زبور میں بھی موجود ہے۔

''ان کے بت چاندی اور سونا ہیں یعنی آدمی کی دستکاری۔ ان کے منہ ہیں پر وہ بولتے نہیں۔ آنکھیں ہیں پر وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں پر وہ سنتے نہیں۔ ناک ہیں پر وہ سونگھتے نہیں۔ ان کے ہاتھ ہیں پر وہ چھوتے نہیں۔ پاؤں ہیں پر وہ چلتے نہیں اور ان کے گلے سے آواز نہیں نکلتی۔ ان کے بنانے والے ان ہی کی مانند ہو جائیں گے بلکہ وہ سب جو ان پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے اسرائیل خداوند پر توکل کر، وہی ان کی کمک اور سپر ہے۔'' (زبور ۱۱۵۔ ۴ تا ۹)

۲۹۹؎ یہ مشرکین کو چیلنج ہے اُن کی ان دھمکیوں کے جواب میں جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے کہ تم ہمارے بتوں کی جو مخالفت کرتے ہو تو اس کے نتیجہ میں تم پر ان کا غضب ضرور ٹوٹ پڑے گا۔ ان کو چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہارے ان معبودوں میں کوئی دم خم ہے تو ان کو بلاؤ وہ میرے خلاف تمہاری مدد کریں اور پھر تم سب مل کر میرے خلاف جو کارروائی چاہو کر گزرو۔ اس چیلنج کے بعد جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ کر سکے بلکہ مکہ میں آپ کے فاتحانہ داخلہ کے بعد آپ کے ہاتھوں بتوں کی جو درگت بنی اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ان بتوں کی خدائی جھوٹی تھی اور اللہ ہی خدائے برحق ہے۔

۳۰۰؎ یعنی یہ بت جب نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں تو رہنمائی کیا کریں گے اور جب رہنمائی کرنے کے قابل نہیں ہیں تو خدا کیونکر ہوئے؟

۳۰۱؎ اس میں یہ لطیف طنز پوشیدہ ہے کہ جو حال بتوں کا ہے وہی ان کے پرستاروں کا بھی۔ بت بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تک رہے ہیں لیکن فی الواقع وہ دیکھتے کچھ بھی نہیں اسی طرح بت پرست بظاہر آنکھیں رکھتے ہیں اور داعیِ حق کو دیکھتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ نہ حق کو دیکھ پاتے ہیں اور نہ اس کے داعی کو کیونکہ وہ اپنی آنکھوں کی روشنی کھو چکے ہیں۔

(اے پیغمبر!) درگزر سے کام لو، بھلی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔ اور اگر تم شیطان کی طرف سے اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو ۔ بلاشبہ وہ سننے اور جاننے والا ہے ۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ چونک اٹھتے ہیں اور ان کی آنکھیں اچانک کھل جاتی ہیں ۔ مگر جو ان کے (یعنی شیطانوں کے) بھائی بند ہیں ان کو وہ گمراہی میں کھینچے لئے جاتے ہیں اور پھر کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے ۔ (القرآن)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

۱۹۹ (اے پیغمبر!) درگزر سے کام لو، بھلی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔ ۳۰۲؎

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

۲۰۰ اور اگر تم شیطان کی طرف سے اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو ۳۰۳؎۔ بلاشبہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

۲۰۱ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ چونک اٹھتے ہیں اور ان کی آنکھیں اچانک کھل جاتی ہیں۔ ۳۰۴؎

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

۲۰۲ مگر جو ان کے (یعنی شیطانوں کے) بھائی بند ہیں ان کو وہ گمراہی میں کھینچے لئے جاتے ہیں اور پھر کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ۳۰۵؎

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

۲۰۳ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے سامنے کوئی آیت پیش نہیں کرتے تو وہ کہتے ہیں تم نے کوئی آیت کیوں نہیں چھانٹ لی۔ کہو میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے ۳۰۶؎۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں ۳۰۷؎۔ اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔ ۳۰۸؎

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

۲۰۴ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ۳۰۹؎

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

۲۰۵ اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی پست آواز کے ساتھ ۳۱۰؎ اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ ۳۱۱؎

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع

۲۰۶ یقیناً جو تمہارے رب کے قریب ہیں وہ اسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ۳۱۲؎

۳۰۲۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہدایت آپ کے واسطے سے تمام اہل ایمان کو۔ درگزر سے کام لو یعنی ناخداشناس لوگوں کی اذیت دہ باتوں کو خاطر میں نہ لاؤ اور وسعتِ اخلاق کا اظہار کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ درگزر سے کام لو۔ بھلی باتوں کی تلقین ضرور کرتے رہو لیکن اگر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے جو جذبات سے مغلوب ہوں اور کچھ سننے سمجھنے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ جو سننا نہیں چاہتے ان کو سنانے کی کوئی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی۔

۳۰۳۔ یعنی اگر مخالفین کی باتیں تمہارے اندر اشتعال پیدا کرنے کا باعث بن رہی ہوں تو اللہ کی پناہ مانگو۔ وہ تمہیں شر سے محفوظ رکھے گا۔

ان ہدایات پر عمل کر کے مخالفین کے دلوں کو جیتا جا سکتا ہے اور دعوت اسلامی کے لئے راہیں کھل سکتی ہیں مگر آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کی اشتعال انگیزی کا اثر قبول کرنے اور انہیں ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ عفو درگزر اور صبر و تحمل سے کام لینے کے لئے وہ آمادہ نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ کہ ان سے الجھ کر رہ جاتے ہیں اور کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔

۳۰۴۔ یعنی تقویٰ کی روش اختیار کرنے والوں کا ضمیر ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔ اگر اتفاق سے کوئی شیطانی خیال یا وسوسہ دل میں گزرتا ہے تو وہ اسے فوراً محسوس کر لیتے ہیں اور انہیں صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ تقویٰ کی راہ کونسی ہے اور گناہ کی راہ کونسی۔

۳۰۵۔ بخلاف متقیوں کے شیطانوں کے بھائی بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ شیاطین ان کی گمراہی میں اضافہ ہی کئے چلے جاتے ہیں۔ ان کو جب وسوسۂ شیطانی چھو لیتا ہے تو اس سے چوکنا ہونے کے بجائے اپنے کو اس ناروا حرکت پر مطمئن کر دیتے ہیں اور اس کے بعد عملی اقدام کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح شیطان کا جادو ان پر اس طرح چل جاتا ہے کہ ان کی باگ ڈور شیطان ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق کے سلسلہ میں یہ نہایت اہم بات ہے جو ان آیات میں ارشاد ہوئی ہے۔

۳۰۶۔ جب نزول وحی میں وقفہ ہوتا تو مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز کرتے کہ آپ نے کوئی آیت چھانٹ نہیں لی۔ مطلب یہ کہ آپ آیتیں تو گڑھتے ہی رہتے ہیں پھر آج کوئی آیت گڑھ کر کیوں نہیں لائی۔ یہ سخت اشتعال دلانے والی بات تھی مگر اس کا جواب نہایت سنجیدگی کے ساتھ دینے کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی اور وہ یہ کہ ان سے کہو میں صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے یعنی میرا کام آیتیں گڑھنا نہیں ہے بلکہ اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ آیتوں کو پیش کرنا۔

۳۰۷۔ قرآنی آیات کا بصیرت افروز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ آیات ہیں نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی من گھڑت آیات۔ قرآن ایک کھلی کتاب ہے اور جو شخص بھی اس کا مطالعہ صاف ذہن سے کریگا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہے گا کہ اس میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ انسان کے ضمیر کو بیدار کرنے والی، دل کی آنکھوں کو کھولنے والی اور عقل کو روشنی بخشنے والی ہیں۔ پھر جو کلام سرتاسر بصیرت ہو اور وہ بھی غایت درجہ کی بصیرت وہ انسان کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔

خدا اور مذہب کی طرف منسوب کر کے جن لوگوں نے اپنا کلام پیش کیا ہے اس میں سوائے متضاد باتوں، قیاس آرائیوں اور فلسفیانہ الجھنوں کے اور کیا ہے؟ ان کی باتیں نہ عقل و فکر کو جلا بخشنے والی ہیں اور نہ قلب و ذہن کے لئے سرمایۂ اطمینان و سکون۔ پھر قرآن کو بھی اسی سطح پر رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟

۳۰۸۔ قرآن اہل ایمان کے حق میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ یعنی ان کی صحیح رہنمائی کر کے ان کو رحمت الٰہی سے ہمکنار کرتا ہے۔

۳۰۹۔ اوپر بیان ہوا کہ کس شان کا کلام ہے۔ اب لوگوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ وہ قرآن کو جب وہ پڑھا جا رہا ہو بغور سنیں۔ کیا عجب کہ وہ بھی اس رحمت میں حصّہ دار بن جائیں۔ جو لوگ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں ان کے اعتراض کی وجہ بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ تو قرآن کو غور سے پڑھتے ہیں اور نہ توجّہ سے سنتے ہیں۔ اگر وہ غور سے پڑھیں یا توجہ سے سنیں تو ان کے تمام شکوک و شبہات رفع ہوں اور ان کو بھی نعمتِ ایمان نصیب ہو۔

آیت میں جو بات ارشاد ہوئی ہے اس کا اصل منشاء وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی قرآن کو توجہ کے ساتھ سننے کی عام دعوت دینا لیکن ضمناً اس سے نماز کے بارے میں یہ حکم بھی مستنبط ہوتا ہے کہ جب امام قرآن سنا رہا ہو یعنی جہری قرأت کر رہا ہو تو مقتدیوں کو توجّہ کے ساتھ قرآن سننا چاہئے اور خاموش رہنا چاہئے۔ رہا یہ سوال کہ جب امام سرّی قرأت کر رہا ہو تو مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے یا نہیں تو اس کے لئے احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے قرآن کو اپنے اپنے مسلک کی تائید میں کھینچنا بڑی غلط بات ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن سے فقہی مسائل میں جو واضح حکم یا رہنمائی ملتی ہو۔ اس کو بلا تاویل قبول کیا جائے کہ وہ اصلما خذ ہے اور تفصیلات کے لئے سنت ثابتہ کی طرف رجوع کیا جائے کیوں کہ سنت قرآن کی شارح ہے۔ مگر جب تقلیدی ذہن پیدا ہو جاتا ہے تو لوگ اپنے اپنے اماموں اور اپنے اپنے مسلکوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کسی نہ کسی حدیث کا سہارا لے لیتے ہیں اور قرآن کو حدیث کا تابع بنا دیتے ہیں یا پھر قرآن اور حدیث دونوں کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ ''رائے'' اور ''قیاس'' کو قرآن وسنت پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن کی اتباع کرنے والے کو اس بے راہ روی سے بچنا چاہئے۔

آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن جب پڑھا جاتا ہے تو اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوتی ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے اس اشارہ کو اس طرح کھول دیا ہے:

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ (مسلم کتاب الذکر)

''جو لوگ اللہ کے گھر (مسجد) میں مجتمع ہو کر کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کو باہم پڑھتے پڑھاتے ہیں ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر اپنے مقربین میں کرتا ہے۔''

۳۱۰۔ یہاں ذکر الٰہی کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ آدمی دل ہی دل میں اپنے رب کو یاد کرے اور دوسری یہ کہ زبان سے بھی اس کا ذکر کرے اور ساتھ ہی ہدایت کی گئی ہے کہ عاجزی اور خوف کے ساتھ خدا کو یاد کرو اور جب زبان سے اس کا ذکر کرو تو پست آواز سے تاکہ آدمی آدابِ بندگی کو بھی ملحوظ رکھے اور ریاکاری کے فتنہ سے بھی بچے۔

واضح رہے کہ ذکر نہ تو زبان کی ورزش کا نام ہے کہ ھوحق کی صدائیں مخصوص انداز میں لگائی جائیں اور نہ مروجہ اصطلاح میں ''وِرد و وظیفہ'' ہے کہ زبان مخصوص کلمات کو دہراتی رہے لیکن دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ عاجزی اور خوف کی کیفیت اس پر طاری ہو۔

رہے تسبیح کے دانے جو گھمائے جاتے ہیں تو واضح ہو کہ اسلام میں مالا جپنے کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ غیر اقوام سے لیا گیا ہے اور جس اخفا کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے کی ہدایت اس آیت میں دی گئی ہے اس سے اس کو مناسبت نہیں ہے۔ تسبیح گھمانے سے ذکر الٰہی تو کم ہوتا ہے البتہ ذکر الٰہی کی نمائش زیادہ ہوتی ہے۔

صبح وشام کے اوقات احوال کے تغیر کے ہیں۔ گویا آدمی ان اوقات میں ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہوتا ہے اس لئے خاص طور سے ان اوقات میں ذکر الٰہی کا اہتمام کرنے کی ہدایت کی گئی۔

۳۱۱۔ معلوم ہوا کہ آدمی اگر ذکر الٰہی کی عادت نہ ڈالے تو اس کے دل پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ نماز سراسر ذکر الٰہی ہے لیکن نماز کے علاوہ بھی اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور کاروبار میں مشغول ہوتے ہوئے ذکر الٰہی مطلوب ہے تاکہ آدمی اللہ سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو۔

۳۱۲۔ مراد مقرب فرشتے ہیں جن کو جاہل لوگ خدا بنا بیٹھے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے کو اللہ کا بندہ سمجھتے ہیں اور اسکی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں وہ اسکی پاکی بیان کرتے ہیں اور اسی کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ اگر تم اللہ کا تقرب چاہتے ہو تو تم کو بھی یہ ملکوتی صفت اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔

اس آیت پر سجدہ کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ آدمی اس بات کا اثر قبول کرے جو یہاں بیان ہوئی ہے اور فوری طور سے ثابت کر دے کہ وہ تکبر میں مبتلا نہیں ہے بلکہ اللہ کے آگے اپنا سر نیاز جھکا رہا ہے۔

تفسیر
سورۃ الانفال

(۸) اَلْاَنْفَال

نام سورہ کا آغاز انفال یعنی اموال غنیمت کے مسئلہ سے ہوا ہے اس مناسبت سے اس کا نام "**الانفال**" ہے۔

زمانۂ نزول یہ سورہ مدنی ہے اور جنگ بدر کے بعد یعنی رمضان ۲ھ میں نازل ہوئی۔

مرکزی مضمون جہاد ہے، اور جو مسائل جنگ بدر کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے، ان کے سلسلہ میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرنا ہے، نیز منکرین پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان واضح کرنا ہے، جو حق و باطل کی اس جنگ نے تاریخ کے اوراق پر ثبت کر دیا۔ سورہ اعراف میں وہ تاریخی واقعات پیش کئے گئے تھے جن سے ان رسولوں کی صداقت ظاہر ہوتی ہے، جو مختلف قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، اس سورہ میں جنگِ بدر میں اہل ایمان کی کامیابی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ یہ جنگ عام لڑائیوں سے بالکل مختلف، حق و باطل میں امتیاز کرنے والی جنگ تھی۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۴ میں مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے، اہل ایمان کی وہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جو ان کے ایمان کی سچائی اور پختگی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جن کے پیدا ہونے کی صورت میں آدمی ہر معاملہ میں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

آیت ۵ تا ۸ میں مسلمانوں کی اس کمزوری پر گرفت کی گئی ہے، جو جنگ سے پہلے ان سے ظاہر ہوئی تھی۔

آیت ۹ تا ۱۹ میں نصرت الٰہی کا ذکر جو جنگ کے موقع پر ظاہر ہوئی اور ضمناً مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مقابلہ کے وقت پیٹھ نہ پھیریں۔

آیت ۲۰ تا ۲۹ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ نازک لمحات میں اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کا ثبوت دیں۔

آیت ۳۰ تا ۴۰ میں اس بات کا اظہار کہ رسول کے خلاف کافروں نے جو چالیں چلی تھیں وہ ناکام ہوئیں اور اللہ کی تدبیر کامیاب رہی۔ لیکن اگر اب بھی ان کو اپنے موقف کے غلط ہونے کا احساس نہیں ہوا ہے۔ اور اپنی کافرانہ روش سے باز نہیں آرہے ہیں، تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ سلسلۂ جنگ جاری رکھیں، تا آنکہ اس مقدس سرزمین پر دین حق کا غلبہ ہو جائے۔

آیت ۴۱ تا ۴۹ میں مال غنیمت کی تقسیم کا اصول اور اسلامی جنگ کو غیر اسلامی جنگ سے ممتاز کرنے والی باتیں اور مسلمانوں کو ہدایت، کہ ان ہدایات کو سختی کے ساتھ ملحوظ رکھیں۔

آیت ۵۰ تا ۵۴ میں اس عذاب الٰہی کا ذکر، جس نے بدر کے موقع پر کافروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

آیت ۵۵ تا ۶۶ میں جنگ و صلح کے تعلق سے اہم ہدایات دی گئی ہیں۔

آیت ۶۷ تا ۷۱ میں جنگی قیدیوں اور ان سے لئے گئے فدیہ پر تبصرہ ہے۔

آیت ۷۲ تا ۷۵ خاتمۂ کلام ہے جس میں مسلمانوں کو باہمی اخوت کے رشتہ کو مضبوط کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تا کہ وہ متحد اور منظم ہو کر اہل کفر کا، جو ان سے برسر پیکار ہیں مقابلہ کر سکیں۔

سورہ کے آغاز میں مسلمانوں کو اصلاح ذات البین (باہمی تعلقات کو درست رکھنے) کی ہدایت کی گئی تھی اور آخری آیات میں باہمی نصرت و حمایت کی ترغیب دی گئی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد کے سلسلہ میں اس مسئلہ کی کیا اہمیت ہے۔

جنگ بدر اور اس کے اسباب یہ جنگ، بدر کے مقام پر لڑی گئی، جو مدینہ سے ۱۴۸ کلومیٹر اور مکہ سے ۳۰۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ایک طرف مدینہ کے مسلمان تھے جن کی قیادت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اور دوسری طرف کفارِ مکہ تھے جن کا قائد ابوجہل تھا۔ مسلمان تین سو سے کچھ ہی زیادہ اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ جب کہ کفار کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل اور سروسامان سے لیس تھا۔ یہ پہلا معرکہ تھا جو کفر و اسلام کے درمیان ہوا۔ اس لئے اس کو زبردست تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس جنگ کے اسباب مختصراً درج ذیل ہیں۔

۱ مشرکین مکہ نے نبی ﷺ کے خلاف قتل کی سازش کی تھی۔ لیکن آپ ان کے چنگل میں پھنس نہ سکے، بلکہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے، جہاں آپ کو بہترین ساتھی مل گئے اور انہوں نے آپ کی نصرت و حمایت کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے مشرکین مکہ کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

۲ مکہ میں جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان لا کر توحید کے علمبردار بن گئے تھے، ان پر مشرکین سخت ظلم ڈھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر

جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

۳ مشرکین مکہ نے عقیدہ وضمیر کی آزادی پر، جو انسان کا فطری حق ہے، روک لگا دی تھی۔ چنانچہ وہ مکہ میں کسی ایسے شخص کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، جو بُت پرستی کو ترک کر کے دین توحید اختیار کرنا چاہتا ہو۔ وہ ایسے لوگوں پر دباؤ ڈالتے اور انہیں پریشان کرتے، تاکہ وہ اپنا آبائی مذہب خواہ اس کی نظر میں وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو ترک نہ کرے۔

۴ مشرکین مکہ نے مدینہ کے مسلمانوں کیلئے حج اور عمرہ کی راہ روک دی تھی۔ چنانچہ جب سعد بن معاذ عمرے کے لئے مکہ گئے، تو ابوجہل نے سخت اعتراض کرتے ہوئے ان سے حرم میں کہا، ''تم مکہ میں اطمینان کے ساتھ طواف کرتے ہو جبکہ تم نے ہمارے مذہب سے پھر جانے والوں کو پناہ دے رکھی ہے اور ان کی نصرت و مدد کرتے ہو۔ اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بعافیت نہ جا سکتے تھے۔ سعد نے اس کے جواب میں کہا، واللہ اگر تم نے مجھے اس سے روکا تو میں تمہیں ایسی چیز سے روک دوں گا، جو تمہارے لئے اس سے زیادہ شدید ہوگی اور وہ ہے تمہارا مدینہ سے گزرنے کا راستہ''۔ (بخاری، کتاب المغازی)

۵ اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کو مرکز توحید بنایا تھا اور اس کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا جو طریقہ رائج کیا تھا۔ اس کا مقصد لوگوں کو دین توحید پر قائم رکھنا تھا۔ لیکن قریش نے خانہ کعبہ کو تولیت میں پا کر اس میں بت بٹھا دیئے تھے اور وہاں مشرکانہ رسوم ادا کرنے لگے تھے۔ قریش کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اس تاریخی اور عظیم مسجد کو بت کدہ میں تبدیل کر دیں اور اس پر زبردستی قابض ہوں۔ اس لئے ان کو خانہ کعبہ کی تولیت سے ہٹانا اور بتوں سے اور بت پرستی سے اسے پاک کرنا اور اس کے مرکز توحید ہونے کی حیثیت بحال کرنا ضروری تھا۔

یہ وہ بنیادی اسباب تھے، جس نے مدینہ کے مسلمانوں اور مکہ کے مشرکین کے درمیان کشمکش تیز کر دی تھی۔ اور پھر مشرکین مکہ نے مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف جو ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، اس کے نتیجہ میں دونوں کے درمیان حالت جنگ بپا ہوگئی۔ اور قرآن نے مسلمانوں کو جواب تک اپنا ہاتھ روکے ہوئے تھے، جنگ کرنے کی کھلی اجازت دے دی۔

ان حالات میں جب ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے مکہ لوٹ رہا تھا تو مسلمانوں نے چاہا، کہ اس پر حملہ کریں تاکہ مشرکین کا زور ٹوٹے اور انہیں سبق حاصل ہو۔ لیکن ابوسفیان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے مکہ آدمی بھیج کر وہاں سے کمک طلب کی۔ پھر کیا تھا مشرکین مکہ ایک ہزار کی تعداد میں جن میں انکے بڑے لیڈر بھی تھے، پوری جنگی تیاریوں کے ساتھ نکل پڑے۔ ادھر مدینہ سے بھی مسلمان جنگی تیاریوں کے ساتھ نکل آئے۔ وہ تعداد میں تین سو سے کچھ ہی زیادہ تھے اور ان کے ساتھ سامان جنگ کی بڑی کمی تھی۔ پھر بھی وہ مقابلہ کے عزم کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور انہوں نے سیدھے بدر کا رخ کیا۔

ان کے بدر پہنچنے تک تجارتی قافلہ راستہ بدل کر بدر سے آگے مکہ کی طرف نکل گیا تھا۔ قافلہ کے بعافیت نکل جانے کے بعد کفار کے بعض سرداروں نے چاہا کہ لشکر مکہ واپس چلا جائے۔ لیکن ابوجہل نے اصرار کیا کہ بدر چلیں۔ بالآخر لشکر بدر پہنچ گیا۔ ادھر سے مسلمانوں کا لشکر بھی بدر پہنچ گیا تھا۔ اس طرح جمعہ ۱۷/ رمضان ۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء کو بدر کے میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ نبی ﷺ نے نصرت کیلئے اللہ تعالیٰ سے نہایت خضوع کے ساتھ دعا کی۔ جب مقابلہ ہوا تو مسلمان بڑی جانفروشی کے ساتھ لڑے اور نصرت الٰہی نے بھی ان کا ساتھ دیا، اس لئے مٹھی بھر افراد کفار کے بھاری لشکر پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں کے صرف ۱۴/ آدمی شہید ہوئے اور کفار کے ستر آدمی مارے گئے، جن میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے۔ مثلاً ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف وغیرہ۔ ان سرداروں کے مارے جانے پر کافروں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے ان کے ستر آدمی قید کئے، جن میں ان کے کچھ لیڈر بھی تھے۔ ان لیڈروں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو بدر سے واپسی میں قتل کر دیا گیا۔ اور بقیہ اسیران جنگ کو نیز جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس کو لیکر مسلمان مدینہ لوٹے۔ اہل مدینہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتپاک خیر مقدم کیا آپ کی بخیریت واپسی اور لشکر اسلام کی زبردست کامیابی پر مسلمانوں میں مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اسیروں کو آپ نے فدیہ لیکر رہا کرنے کا حکم دیا۔ اور جو قیدی فدیہ نہیں دے سکتے تھے ان کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔

ادھر کفار کا لشکر بدر میں شکست کھانے کے بعد بری طرح بھاگ کھڑا ہوا۔ اور جب مکہ پہنچا تو اسے ذلت کی وجہ سے، اپنے ہی لوگوں کو منہ دکھانا مشکل ہو گیا۔

یہ تھا معرکۂ بدر، جس نے کفار مکہ کو ان کے لیڈروں سے محروم کر کے یتیم بنا دیا۔ اور مسلمانوں کی قسمت کو اس طرح جگایا، کہ آگے جا کر وہ پوری انقلابی شان کے ساتھ دنیا پر چھا گئے۔ اور جس طاقت نے بھی ان سے ٹکر لی پاش پاش ہو کر رہ گئی۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ۚ

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ۭ

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ۚ

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ۙ

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ۙ

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ۚ

(۸) سُورَةُ الْاَنْفَال

آیات: ۷۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ وہ تم سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول کیلئے ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اپنے باہمی تعلقات درست رکھو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو۔ ۱

۲ مؤمن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں ۲۔ اور جب اسکی آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے ۳۔ اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ۴

۳ جو نماز قائم کرتے ہیں ۵ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۶

۴ ایسے ہی لوگ سچے مؤمن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجے ہیں، مغفرت ہے اور بہترین رزق ہے۔

۵ (اور بدر کا واقعہ ٹھیک اسی طرح پیش آیا) جس طرح تمہارے رب نے تمہیں حق کے ساتھ تمہارے گھر (مدینہ) سے (بدر کی طرف) نکالا، درآنحالیکہ مؤمنوں کے ایک گروہ کو یہ ناگوار تھا۔ ۷

۶ وہ تم سے حق کے معاملہ میں جھگڑ رہے تھے حالانکہ معاملہ واضح ہوچکا تھا۔ گویا وہ موت کی طرف ہانکے جارہے ہیں اور وہ اس کو (اپنے سامنے) دیکھ رہے ہیں۔ ۸

۷ اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا ۹۔ اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا (مقابلہ کی طاقت) نہیں ہے وہ گروہ تمہارے ہاتھ لگے ۱۰۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات ۱۱ سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ ۱۲

۸ تاکہ وہ حق کو حق کرکے دکھائے اور باطل کو باطل کرکے اگرچہ کہ مجرموں کو یہ ناگوار ہو۔ ۱۳

تفسیر

۱۔ جنگ بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس کی تقسیم کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہوا تھا۔ چونکہ یہ اسلام کے پرچم تلے لڑی جانے والی پہلی جنگ تھی اس لئے جو مسائل کھڑے ہوئے ان کے بارے میں اختلاف رائے بھی ہوا اور کچھ کمزوریوں کا صدور بھی۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم سوال یہ پیش آیا تھا کہ مال غنیمت کے مستحق کون لوگ ہیں؟ آیا وہ جنہوں نے بالفعل اس پر قبضہ کیا یا اس میں فوج کے دوسرے سپاہی بھی شامل ہیں، نیز یہ کہ اس کی تقسیم کا ضابطہ کیا ہے۔ یہاں اس سوال کا اصولی جواب دیتے ہوئے ان کمزوریوں کو دور کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو اس موقع پر ظاہر ہوئی تھیں کیونکہ جہاد کے ذریعہ جن اعلیٰ مقاصد کا حصول اسلام کے پیش نظر ہے وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے سپاہی مخلص، باکردار، آپس میں جڑے ہوئے اور مضبوط ڈسپلن رکھنے والے ہوں۔

''مال غنیمت اللہ اور رسول کے لئے ہے'' یہ اصولی بات ہے جو سوال کے جواب میں ارشاد ہوئی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت میں تصرف کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ لہٰذا اللہ اور رسول کے احکام کو قبول کرو۔ اللہ نے غنیمت کی تقسیم کا ضابطہ آیت ۴۱ میں بیان فرمایا اور اس کی تفصیلات رسول پر چھوڑ دیں۔

۲۔ یعنی اہل ایمان ایسے زندہ دل اور بیدار مغز ہوتے ہیں کہ جہاں اللہ کا ذکر ہوا اس کی عظمت کے تصور سے لرز اٹھتے ہیں اس کیفیت کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔

۳۔ ایمان کا اصل تعلق دل سے ہے اور دل میں جو ایمانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی پرورش کا اگر سامان کیا جائے تو وہ برابر بڑھتی رہتی ہے قرآن کریم کی آیات کی تلاوت جب کہ وہ معنی اور مفہوم کے ساتھ ہو ایمان میں بالیدگی کا باعث ہے۔

۴۔ یعنی ان کا اصل بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ اللہ پر ہوتا ہے۔ جنگ کے لئے وہ اپنے امکان کی حد تک اسباب بھی کرتے ہیں اور بہتر تدبیریں بھی اختیار کرتے ہیں۔ ان سب کے باوجود وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ان اسباب کی بنا پر یا محض اپنے بل بوتے پر لازماً کامیاب ہو جائیں گے بلکہ سمجھتے ہیں کہ کامیابی اللہ کی نصرت پر منحصر ہے۔ اسی طرح جب اللہ کا حکم ہو کہ جنگ کرو تو محض اسباب کی قلت کی وجہ سے وہ جنگ کرنے سے نہیں رکتے بلکہ بے سروسامانی کی حالت میں بھی لڑتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۵۔ جہاد کے ضمن میں نماز کی اہمیت کا یہ پہلو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کی وہ فوج جو نماز قائم نہ کرتی ہو اسلامی انقلاب کے لئے بیکار محض ہے۔

۶۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والے کرایہ کے سپاہی نہیں ہوتے اور نہ مادی مفادات ان کے پیش نظر ہوتے ہیں بلکہ وہ اس راہ میں خود خرچ کرنے والے اور اپنا مال لٹانے والے ہوتے ہیں۔

۷۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے اللہ کے حکم سے نکلے تھے اور آپ کا نکلنا مقصد حق کے لئے تھا یعنی کسی دنیوی غرض سے لوٹ مار کرنا یا خونریزی کرنا مقصود نہ تھا بلکہ دعوت توحید کو برحق اور رسالت کو سچا ثابت کر دکھانا تھا اور یہ مقصد قافلہ پر حملہ کرنے سے نہیں بلکہ کفار کے لشکر سے ٹکر لینے سے ہی حاصل ہو سکتا تھا اس لئے آپ مدینہ سے بدر ہی کے ارادہ سے نکلے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے ایک گروہ کو لشکر کے مقابلہ کے لئے نکلنا پسند نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ شام سے جو تجارتی قافلہ آ رہا ہے اس پر حملہ کیا جائے کیونکہ لشکر کی بہ نسبت قافلہ کو مغلوب کرنا آسان تھا۔

۸۔ یہ واقعہ مدینہ سے نکلنے سے پہلے کا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اطلاع دی کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے مکہ کیلئے روانہ ہو چکا ہے اور مکہ سے کافروں کا لشکر بدر کی سمت کوچ کر چکا ہے اور ان دو گروہوں میں سے کسی ایک گروہ سے تمہاری مڈبھیڑ ہو گی تو مسلمانوں کے ایک گروہ کا رجحان یہ ہوا کہ قافلہ پر حملہ کر دیا جائے بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر بتا دیا کہ کافروں کے لشکر سے مقابلہ کرنا ہے تا کہ حق و باطل کا دوٹوک فیصلہ

ہوجائے تو مسلمانوں میں جو لوگ کمزوری کا شکار تھے وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اس بے سروسامانی کی حالت میں اس قلیل تعداد کا کفار کے لشکر جرار سے مقابلہ کرنا گویا اپنے کو موت کے منہ میں دینا ہے، اس لئے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں حجت کرتے رہے ان کا اصرار تھا کہ لشکر کے بجائے قافلہ کا رخ کیا جائے۔ ان کے اس رویہ پر یہاں گرفت کی گئی ہے۔

۹۔ یعنی یا تو قافلہ تمہارے ہاتھ آئے گا یا لشکر۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا اور نبی ﷺ نے اس سے اہل ایمان کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا جنگی مصالح کے پیش نظر بات مبہم رکھی گئی تھی لیکن بعد میں جب کہ مدینہ سے روانگی ہونے لگی تو آپ نے واضح فرمادیا کہ لشکر ہی سے مقابلہ درپیش ہے تاکہ اہل ایمان جنگی تیاریوں کے ساتھ نکلیں۔

واضح رہے کہ واقعات کی ترتیب میں راویوں اور سیرت نگاروں سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اس لئے واقعہ کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی مثلاً سیرت نگار ابن اسحاق کا یہ بیان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ کو نشانہ بنا کر مدینہ سے نکلے تھے اور بعد میں راستہ میں لوگوں کو بتایا کہ لشکر سے مقابلہ درپیش ہے۔ واقعات کی اس غلط ترتیب نے مخالفین اسلام کو اعتراض کا موقع دیا لیکن قرآن کا بیان جو اوپر سے چلا آرہا ہے ان روایتوں کی تردید کرتا ہے کیونکہ اس میں واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی یہ بات واضح ہوچکی تھی کہ لشکر سے مقابلہ ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کے ایک گروہ کو مقابلہ کے لئے نکلنا ناگوار ہوا اور وہ نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں حجت کرتا رہا اس لئے ان روایتوں کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے نہ کہ قرآن کو روایتوں کی روشنی میں۔

یہ بھی واضح رہے کہ قافلہ پر اگر حملہ کیا جاتا تو یہ کوئی غلط بات نہ ہوتی، کیونکہ قریش مسلمانوں سے برسر جنگ تھے اور جنگی حالات میں دشمنوں کا زور توڑنے کے لئے ان کے قافلہ پر حملہ کرنا اور ان کی اقتصادیات پر ضرب لگانا ہرگز کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور اگر یہ کوئی معیوب بات ہوتی تو قرآن یہ نہ کہتا کہ ''دو گروہوں میں سے کوئی ایک ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا'' بلکہ یہ کہتا کہ لشکر تمہارے ہاتھ لگے گا۔ لیکن چونکہ قافلہ کے ہاتھ آجانے سے حق و باطل کا فرق نمایاں نہیں ہوسکتا تھا اور یہ غلط فہمی پیدا کی جاسکتی تھی کہ مسلمانوں کا مقصد محض قافلہ کو لوٹنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے قافلہ کو مسلمانوں کی زد میں آنے نہیں دیا اور لشکر سے مقابلہ کے لئے انہیں لا کھڑا کر دیا اور جب وہ نصرت الٰہی سے غالب آگئے تو ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا جو پروگرام بنایا تھا وہ بالکل صحیح تھا اور یہ سب کچھ خدا کی رہنمائی اور اس کی تائید سے ہوا۔

۱۰۔ ''جس میں کانٹا نہیں ہے وہ گروہ'' یعنی کمزور گروہ مراد تجارتی قافلہ ہے۔ چونکہ یہ قافلہ صرف چالیس افراد پر مشتمل تھا اس لئے بغیر مزاحمت کے اس پر غلبہ پایا جاسکتا تھا۔

۱۱۔ یعنی اپنے احکام سے۔

۱۲۔ ظاہر ہے یہ مقصد جنگ کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا تھا۔

۱۳۔ یعنی کافروں کو۔

بدر کا راستہ مدینہ، مکہ اور شام سے

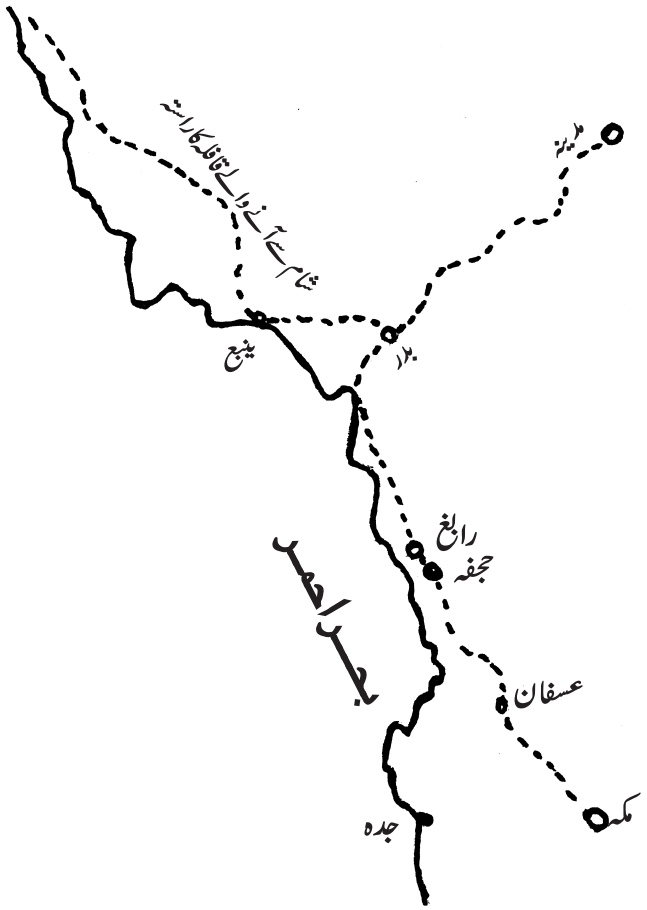

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۹

۹ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے ۱۴ تو اس نے تمہاری فریاد سن کر فرمایا تھا میں ایک ہزار فرشتوں سے کہ پے در پے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۱۰

۱۰ اور اللہ نے اس بات کو (تمہارے لئے) سرتاسر بشارت بنا دیا ۱۵ اور (یہ خوشخبری تمہیں اس لئے دی) تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے ۱۶۔ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ
مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ
الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۱۱

۱۱ (اور یاد کرو وہ وقت) جب کہ وہ تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا کہ یہ اس کی طرف سے تسکین کا سامان تھا ۱۷۔ اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک صاف کرے اور تم سے شیطان کی ناپاکی دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعہ تمہارے قدم جما دے۔ ۱۸۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ
سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ
الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۱۲

۱۲ اس وقت تمہارا رب فرشتوں پر وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنا ۱۹۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں تو تم ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور ان کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ۔ ۲۰۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِقِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۱۳

۱۳ یہ اسلئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۱۴

۱۴ یہ ہے سزا تمہاری تو چکھو اس کا مزہ اور کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ ۲۱۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۱۵

۱۵ اے ایمان والو! جب ایک لشکر کی صورت میں تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ
اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۱۶

۱۶ اور جو کوئی مقابلہ کے دن پیٹھ دکھائے گا بجز اس کے کہ وہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا (اپنے ہی) کسی (فوجی) گروہ سے ملنا چاہتا ہو تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی۔ ۲۲۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ
مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۱۷

۱۷ درحقیقت تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور (اے پیغمبر) جب تم نے (خاک) پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ۲۳۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ مؤمنوں کو ایک بہترین آزمائش سے گزار دے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۱۸

۱۸ یہ تو ہو چکا اور اللہ کافروں کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ ۲۴۔

۱۴؎ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کے لئے دعا کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر دعا میں مشغول رہے اور صبح میدان کارزار میں بھی آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔

''خدایا جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے پورا کر اور عطا فرما وہ چیز جس کا تو نے وعدہ کیا ہے خدایا اگر اہل اسلام کی یہ مٹھی بھر جماعت آج ہلاک ہوگئی تو پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔'' (مسلم کتاب الجہاد)

۱۵؎ یعنی فرشتوں کے نزول کی جو خبر تمہیں دی گئی تھی اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ فرشتے آ کر جنگ لڑیں گے اور تم کو نہ کافروں کا مقابلہ کرنا ہے اور نہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے بلکہ اس کا مطلب تم کو یہ خوشخبری سنانا تھا کہ اگر تم کافروں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے اور لڑنے مرنے کے لئے تیار ہوگئے تو اس نازک موقع پر تمہیں ثابت قدم رکھنے، تمہارا حوصلہ بڑھانے اور تمہاری ضربوں کو کاری بنانے میں وہ تمہاری مدد کریں گے۔ جیسا کہ آیت ۱۲ میں واضح کیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی مدد تھی کیونکہ جس فوج کے حوصلے بلند ہوں اور وہ جان کی بازی لگانے پر تل گئی ہو اس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں مسلمان جب کہ ان کے اور کافروں کے درمیان ایک اور تین کی نسبت تھی غالب آ گئے۔ لیکن اگر فرشتوں کے نزول کا مقصد براہِ راست کافروں سے لڑنا ہوتا تو اس کیلئے ایک فرشتہ ہی کافی ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں ہے۔ حق و باطل کی کشمکش فریقین کے لئے زبردست آزمائش لئے ہوئے ہوتی ہے۔ باطل پرستوں کو اپنے بدترین جذبات کے اظہار کا موقع ملتا ہے اور اہل حق کو اپنے جوہر دکھانے کا۔ مگر چونکہ اہلِ حق تعداد میں کم اور بے سروسامانی کی حالت میں ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد فرماتا ہے اور جہاں تک نصرت الٰہی کا تعلق ہے وہ اہل حق ہی کے ساتھ ہوتی ہے خواہ ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔

۱۶؎ یعنی اگر یہ خوشخبری نہ دی جاتی تو بھی تمہیں اطمینان رکھنا چاہیئے تھا کہ اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ اور مدد جب بھی آتی ہے اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ فرشتے خود کسی کی مدد نہیں کرتے بلکہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو فرشتے مدد کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔

۱۷؎ یہ اس شب کا واقعہ ہے جس کی صبح کو جنگ ہوئی۔ یہ شب بڑی بے چینی اور خوف و ہراس کی شب تھی۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر نیند اڑ جایا کرتی ہے۔ اس لئے بدر کی شب کو گہری نیند کا تو سوال ہی نہیں تھا البتہ تھوڑا بہت اونگھ لینا ضروری تھا تا کہ صبح تازہ دم ہو کر لڑ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اہل ایمان پر غنودگی طاری کر دی جس سے انکا خوف و ہراس بھی جاتا رہا اور صبح تازہ دم ہو کر وہ لڑنے کے قابل ہو گئے۔

۱۸؎ بدر کی شب مسلمان پانی کے لئے پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی جس سے گوناگوں فوائد حاصل ہوئے۔ سفر کے گرد و غبار سے جسم کو صاف کرنے کے لئے نہانے کی ضرورت تھی اور اس سے زیادہ ضرورت وضو اور طہارت کے لئے تھی۔ مسلمان ایک کھلے میدان میں پڑے تھے اس لئے بارش نے انہیں نہلا کر صاف ستھرا کر دیا اور انہوں نے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا بارش کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ شیطانی وساوس دور ہو گئے کیونکہ پانی نہ ملنے سے شیطان دلوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا کر رہا تھا۔ خاص طور سے یہ خیال کہ حالات مسلمانوں کے لئے سازگار نہیں ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش نے تازگی پیدا کر دی اور مسلمانوں نے اسے نصرتِ الٰہی کا نشان سمجھا جس سے ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ چوتھے یہ کہ مسلمان جس جگہ ٹھہرے تھے وہاں ریت بارش کی وجہ سے جم گئی اس لئے قدم جمنے لگے۔ اس طرح باران رحمت مسلمانوں کے حق میں اس قدر مفید ثابت ہوئی کہ اس نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ دوسری طرف یہی بارش کافروں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ وہ جس جگہ ٹھہرے تھے وہاں کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا اور لشکر کے لئے چلنا اور قدم جمانا مشکل ہو گیا۔

۱۹؎ یہ وہ کام ہے جو فرشتوں کے سپرد کیا گیا تھا یعنی اہل ایمان کا حوصلہ (Morale) بلند رکھنا تا کہ وہ کافروں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ رہی یہ بات کہ فرشتے اہل ایمان کا حوصلہ بلند رکھنے میں کس طرح معاون ہوتے ہیں تو یہ غیب سے تعلق رکھنے والی بات ہے جس کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے اتنی بات سمجھ لینا ہمارے لئے کافی ہے کہ جس طرح شیطان کی وسوسہ اندازی کے نتیجہ میں آدمی کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں اسی طرح فرشتوں کے الہام کے نتیجہ میں قدم جمنے لگتے ہیں۔

۲۰۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرشتوں کو کافروں کی گردن پر تلوار چلانے کا حکم دیا گیا تھا اگر ایسا ہوتا تو ان کی انگلیوں پر ضرب لگانے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ فرشتوں کو گردن اور انگلیوں پر ضرب لگانے کا حکم دیا گیا تھا قرآن کے الفاظ فَاضْرِبُوا فَوقَ الاَعْنَاق کے معنی گردن مارنے کے نہیں بلکہ گردنوں کے اوپر ضرب لگانے کے ہیں۔ یہ ضرب ایسی ہی غیبی حقیقت ہے جس طرح کہ فرشتوں کا اہل ایمان کو ثابت قدم رکھنا۔ یعنی اس کا تعلق باطنی کیفیت سے ہے نہ کہ ظاہری عمل سے۔ فرشتوں کے گردنوں پر ضرب لگانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی گردنیں مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں بہ آسانی آ گئیں اور انگلیوں پر ضرب لگانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ مسلمانوں پر مضبوط ہاتھوں سے تلوار نہ چلا سکے۔

۲۱۔ یعنی دنیا میں یہ سزا تمہیں ملی کہ فرشتوں کی مار تم پر پڑی اور رسوا ہو کر رہ گئے لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ آخرت کی سزا ابھی باقی ہے۔ کیونکہ ہر کافر کو دوزخ میں داخل ہو کر آگ کی سزا بھگتنا ہے۔

۲۲۔ اسلام اپنے حوصلہ مند اور جانباز سپاہی تیار کرنا چاہتا ہے جو اللہ کو مقصود بنا کر اس کی راہ میں صرف آگے بڑھنا جانتے ہوں۔ اس لئے اس کی لغت میں پسپائی اور فرار جیسے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ قرآن ان لوگوں کو سخت وعید سناتا ہے جو کافروں سے عین مقابلہ کے وقت پیٹھ پھیریں اور حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شمار سات مہلک گناہوں میں کیا ہے:

وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ ''اور مقابلہ کے دن پیٹھ پھیرنا سات ہلاک کر دینے والے گناہوں میں سے ہے''۔

(مسلم کتاب الایمان)

البتہ جیسا کہ آیت میں بیان ہوا دو صورتیں ایسی ہیں جو فرار کی تعریف میں نہیں آتیں۔ ایک یہ کہ جنگی چال کے طور پر آدمی پیچھے ہٹ جائے اور پھر بھرپور حملہ کرے اور دوسری یہ کہ محاذ کے قریب کوئی دوسرا فوجی گروہ موجود ہو جس میں شامل ہو کر مقابلہ کرنا جنگی مصلحت کا تقاضا ہو۔

۲۳۔ بدر میں جب معرکۂ کارزار گرم ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک (ریت) شاھت الوجوہ (روسیاہ) کہہ کر کافروں کے لشکر کی طرف پھینکی اور ساتھ ہی مسلمان کافروں پر ٹوٹ پڑے۔ نتیجہ یہ کہ کافروں کے بڑے بڑے لیڈر مارے گئے اور وہ بری طرح شکست سے دوچار ہوئے۔ یہ واقعہ سیرت ابن ہشام (ج ۲ ص ۲۶۸) میں مذکور ہے قرآن کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ضربوں کو کاری بنانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھینکی ہوئی خاک (دھول) کافروں کی آنکھوں میں جھونک دینا اللہ ہی کا کام تھا اس لئے اس جنگ میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی وہ اللہ ہی کی نصرت سے ہوئی۔

۲۴۔ یعنی جنگ بدر میں تو کافروں کو شکست ہو ہی گئی اس کے بعد بھی اگر انہوں نے چال چلی تو اللہ ان کی ہر چال کو کمزور بنا دیگا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد کافروں نے زبردست چالیں چلیں اور طرح طرح کی سازشیں کیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام چالوں اور سازشوں کو ناکام بنا دیا اور اسلام کے اُبھرتے انقلاب کو وہ ہرگز روک نہ سکے۔

نقشہ جنگِ بدر

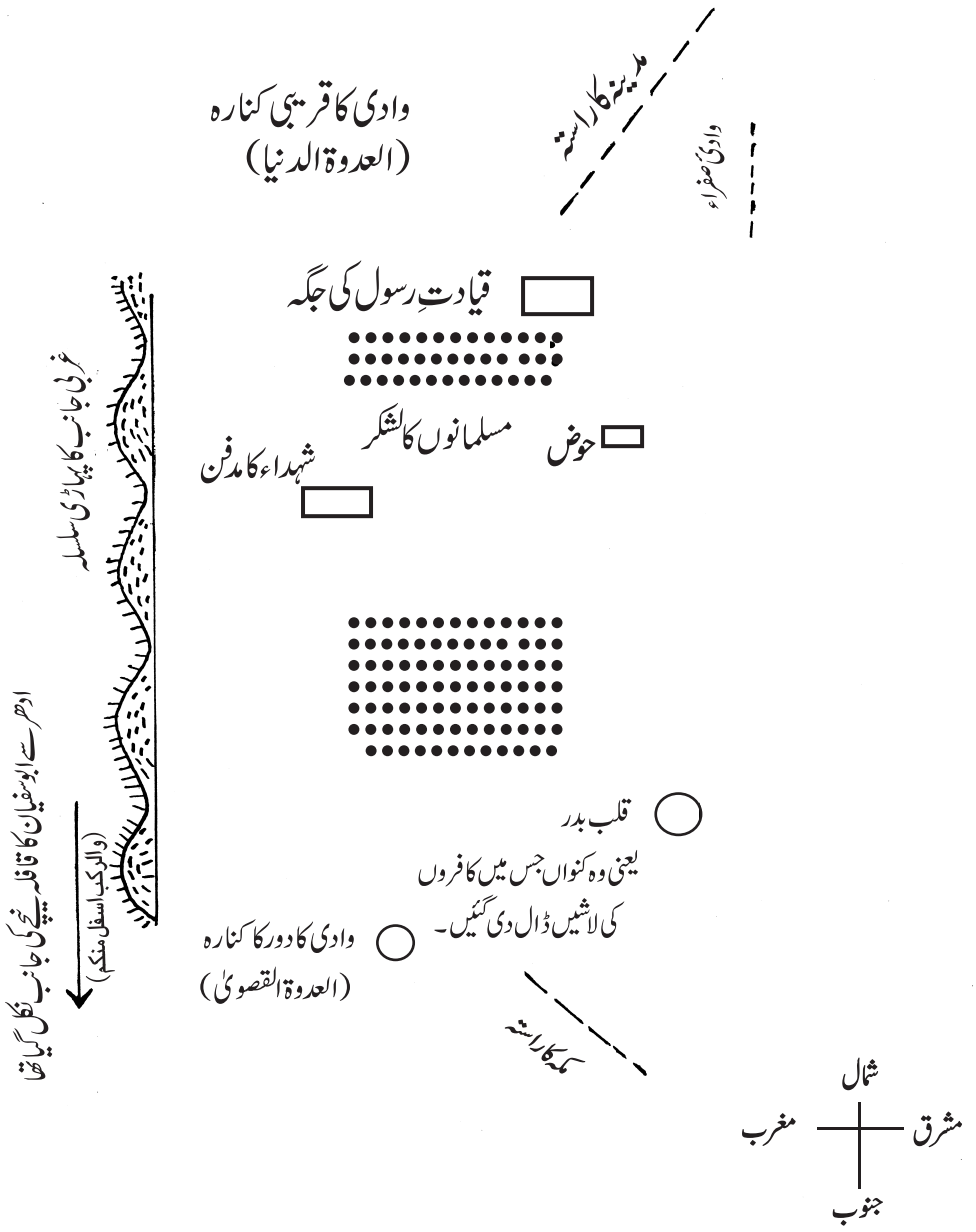

وادی کا قریبی کنارہ
(العدوۃ الدنیا)
مدینہ کا راستہ
وادیٔ صفراء
قیادتِ رسول کی جگہ
مسلمانوں کا لشکر
حوض
شہداء کا مدفن
مغربی جانب کا پہاڑی سلسلہ
ادھر سے ابوسفیان کا قافلہ نیچے کی جانب نکل گیا تھا
(والرکب اسفل منکم)
قلب بدر
یعنی وہ کنواں جس میں کافروں
کی لاشیں ڈال دی گئیں۔
وادی کا دور کا کنارہ
(العدوۃ القصویٰ)
مکہ کا راستہ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا ۲۵۔ اب باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم نے پھر وہی کیا تو ہم بھی وہی کریں گے ۲۶۔ اور تمہارا اجتھا خواہ کتنا ہی زیادہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آئے گا اور اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے۔ ۲۷۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے منھ نہ موڑو جب کہ تم سن رہے ہو۔ ۲۸۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کہا ہم نے سنا حالانکہ وہ سنتے کچھ نہیں ہیں۔ ۲۹۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۳۰۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ اگر اللہ دیکھتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سننے کی توفیق دیتا۔ لیکن اگر (اس کے بغیر) انہیں سُنواتا تو وہ اس سے بے رخی کے ساتھ منہ پھیر لیتے۔ ۳۱۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب رسول تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے ۳۲۔ اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے ۳۳۔ اور یہ بھی جان لو کہ تم اسی کے حضور اکٹھے کئے جاؤ گے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور بچو اس فتنہ سے جس کی زد میں صرف وہی لوگ نہیں آئیں گے جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ۳۴۔ ہوگا۔ اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ اور یاد کرو وہ وقت جب تم تھوڑے تھے اور زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں کہیں اچک نہ لے جائیں ۳۵۔ پھر اللہ نے تمہیں پناہ دی ۳۶۔ اور اپنی نصرت سے تمہیں قوت بخشی اور اچھا رزق دیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو ۳۷۔ اور نہ اپنی امانتوں میں جانتے بوجھتے خیانت کرنے لگو۔ ۳۸۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

۲۸ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں ۳۹۔ اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

۲۵۔ اس جنگ کے ذریعہ مشرکین حق و باطل کا فیصلہ چاہتے تھے اور ان کے سردار ابوجہل نے دعا کی تھی کہ خدایا ہم میں سے جو فریق رحم کے رشتے کو کاٹنے کے جرم کا سب سے زیادہ مرتکب ہوا ہے اسے تو ہلاک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیاب اور مشرکین کو ناکام کر کے فیصلہ فرما دیا کہ مسلمان حق پر ہیں اور مشرکین باطل پر۔

۲۶۔ یہ مشرکین کو نصیحت بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ نصیحت یہ کہ اس خدائی فیصلہ کو جو جنگ بدر میں ظاہر ہوا دیکھ لینے کے بعد اگر تم اسلام دشمنی سے باز آجاؤ تو یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہوگا کہ رسوائی اور ہلاکت سے بچ جاؤ گے اور تنبیہ یہ کہ اگر تم نے پھر وہی اسلام دشمنی کی روش اختیار کی تو ہم پھر تم پر اپنا کوڑا برسائیں گے۔

۲۷۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ مشرکین نے اس کے بعد بھی اسلام اور اس کے پیغمبر کے خلاف جنگیں لڑیں لیکن ان کے بڑے بڑے جتھے ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ کفر و ایمان کے درمیان لڑی جانیوالی ان جنگوں میں سے ہر جنگ میں یہ ظاہر ہوا کہ نصرت الٰہی اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

۲۸۔ یعنی جب اللہ اور اس کے رسول کی آواز تمہارے کانوں میں پہنچ رہی ہے تو سب کچھ سنتے ہوئے نافرمانی کرنا کس قدر غلط اور کتنے بڑے گناہ کی بات ہے؟

۲۹۔ اشارہ یہود کی طرف ہے جو احکام الٰہی سننے کے باوجود نافرمانی کرتے رہے۔ وہ سنتے تھے مگر ان کا سننا قبول کرنے کے معنی میں نہیں تھا۔

۳۰۔ یعنی جو لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے وہ حق بات سننے کے لئے بہرے اور حق بات بولنے کے لئے گونگے بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگ انسان نہیں بلکہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر۔

معلوم ہوا کہ دین کی مخلصانہ پیروی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ جس دین کو اس نے قبول کیا ہے اس کے تقاضے کیا ہیں اور ایمان لانے کے بعد اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوگئی ہیں۔

۳۱۔ یعنی جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ قبول حق سے محروم رہتے ہیں اور انہیں سننے سمجھنے کی توفیق اللہ تعالیٰ اس لئے نہیں دیتا کہ ان میں خیر پسندی نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے اچھی پیداوار کے لئے صرف بیج کا اچھا ہونا کافی نہیں بلکہ زمین کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں خیر پسندی رکھی تھی مگر انہوں نے اپنی یہ صلاحیت کھو دی اس لئے اگر ان کو کچھ سنوایا بھی جائے تو وہ اس کا کوئی اثر قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

۳۲۔ یعنی رسول جس خدمت کے لئے تمہیں بلائے اور جس چیز کا بھی تمہیں حکم دے اس کی تعمیل تمہارے لئے سراسر حیات ہے کیونکہ رسول کا ہر حکم قلب کو جگانے اور روح کو گرمانے والا ہوتا ہے، اس کی تعمیل سے خیر کے جذبات پرورش پانے لگتے ہیں۔ اور انسان کے باطن میں زندگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ حیات تازہ کی یہ وہ کیفیت ہے جو رسول کی پیروی کرنے والا اس دنیا میں ہی محسوس کرنے لگتا ہے۔ رہی آخرت تو وہاں رسول کی پیروی کرنے والوں ہی کو حیات جاودانی نصیب ہوگی۔

۳۳۔ یعنی تمہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی تو تمہارے دل اطاعت کی طرف سے پھر نہ جائیں۔

اَللّٰہُ مُقَلِّبُ الْقُلُوْب (دلوں کی حالت بدلنے والا اللہ ہے) وہ دیکھتا ہے کہ جب کوئی شخص نافرمانی پر نافرمانی کئے چلا جا رہا ہے تو پھر اس کے دل کو نافرمانی کے لئے سازگار بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمانبرداری کا رویہ اختیار کرنے کے لئے اس کی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی!

۳۴۔ مراد اجتماعی فتنے ہیں جن کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو پھر اس کی لپیٹ میں نیک و بد سب ہی آجاتے ہیں اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر بیدار ہو اور وہ جب کسی فتنہ کو اٹھتا ہوا دیکھیں تو اسی وقت اس کو دبانے کی کوشش کریں اور آگ لگانے والوں کا ہاتھ فوراً پکڑ لیں۔ خاص طور سے جنگ کی حالت میں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ سوسائٹی کے اندر کسی گوشہ سے کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے ورنہ ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو سکتا ہے۔

اس ہدایت پر جب تک مسلمان کاربند رہے ان کے اندر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکا لیکن بعد کے زمانوں میں جب مسلم معاشرہ میں ہر طرح کے لوگ شامل ہو گئے اور اس اصولی ہدایت کو ملحوظ نہ رکھ سکے تو طرح طرح کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے اور پورے معاشرہ کو ان سے دوچار ہونا پڑا۔

۳۵۔ جب تک مسلمان مکہ میں رہے ان کا یہی حال رہا۔

۳۶۔ یعنی مدینہ میں جہاں مسلمان ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔

۳۷۔ خیانت سے مراد بے وفائی ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری کا جو عہد تم نے کیا ہے اس پر قائم رہو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے تمہاری وفاداری مشتبہ ہوتی ہو۔ اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کا امتحان خاص طور سے اس وقت ہوتا ہے جب کہ کفر اور اسلام کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی ہے۔

۳۸۔ یہاں امانتوں سے مراد ذمہ داریاں ہیں اور ان میں خیانت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ادائیگی سے آدمی بے پروا ہو جائے یا غیر ذمہ داری کا ثبوت دے۔

امانتوں کا دائرہ وسیع ہے جس کی تشریح سورہ نساء نوٹ ۱۲۳ میں گزر چکی۔ یہاں خاص طور سے ان ذمہ داریوں کو خلوص و وفا کے ساتھ ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے متعلق ہوں۔

۳۹۔ انسان کے خیانت میں مبتلا ہونے کی بڑی وجہ مال اور اولاد کی بڑھی ہوئی محبت ہے اس لئے ان کی یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ یہ چیزیں دنیوی زندگی میں سامان آزمائش ہیں۔ ان کے ذریعہ یہ جانچ کر دیکھنا ہے کہ کون مال اور اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے اور کون اللہ اور رسول کے ساتھ سچی وفاداری کا ثبوت دیتا ہے۔

بدر کا میدانِ جنگ

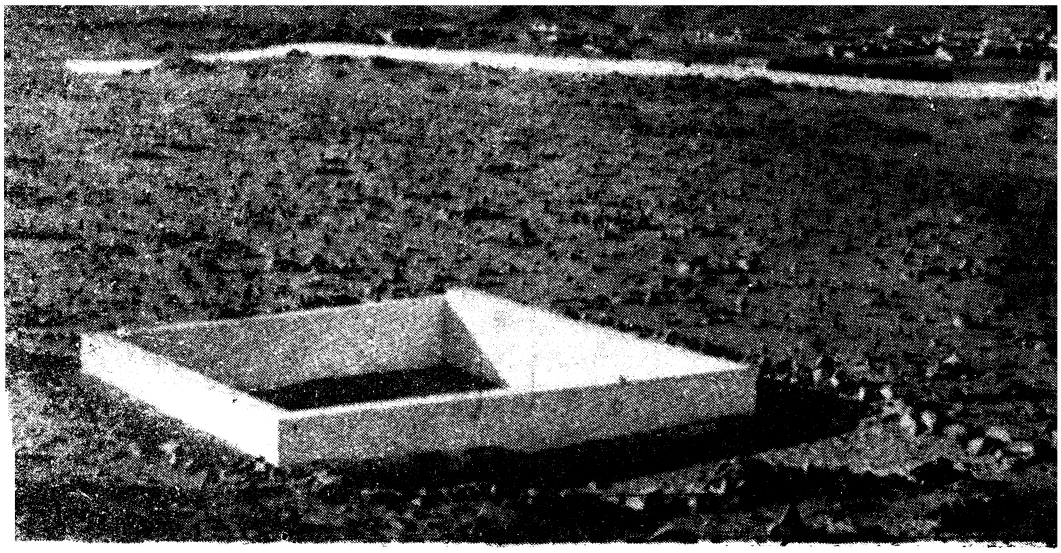

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

۲۹ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں فرقان (حق و باطل میں امتیاز کی قوت) بخشے گا ۴۰۔ اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہیں معاف کر دے گا ۴۱۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

۳۰ اور (اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو) جب کافر تمہارے خلاف سازشیں کر رہے تھے کہ تمہیں قید کریں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں ۴۲۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ ان کا توڑ کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیریں کرنے والا ہے۔ ۴۳۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

۳۱ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو کہتے تھے ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ یہ تو بس گزرے ہوئے لوگوں کی داستانیں ہیں۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

۳۲ اور جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ واقعی حق ہے تیری جانب سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب نازل کر۔ ۴۴۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

۳۳ اور اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جب کہ تم (اے پیغمبر) ان کے درمیان موجود تھے ۴۵۔ اور نہ اللہ اس صورت میں انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ وہ استغفار (معافی طلب) کر رہے ہوں۔ ۴۶۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَاۗءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَاۗؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ لیکن اب کیوں نہ اللہ انہیں عذاب دے جب کہ وہ مسجد حرام سے روک رہے ہیں حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں ہیں۔ اس کے متولی تو متقی ہی ہو سکتے ہیں ۴۷۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ بیت اللہ کہ پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ نہیں ۴۸۔ تو اب چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔ ۴۹۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ کافر اپنا مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ خرچ کریں گے پھر ان کے لئے یہ سامانِ حسرت بنے گا پھر یہ مغلوب ہوں گے ۵۰۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ۵۱۔

۴۰؎ یعنی کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کی صلاحیت پیدا کرے گا پھر تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر نظر آئے گا کہ صاف اور سیدھا راستہ کون سا ہے اور ہر نازک موقع پر (تمہاری بصیرت) حق کی طرف تمہاری رہنمائی کریگی۔

معاملات زندگی میں اہل ایمان کو قدم قدم پر نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ مختلف فتنوں سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے موقع پر قرآن و سنت کی اصولی رہنمائی کی روشنی میں عملی رویہ متعین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر اندرونی بصیرت ہی صحیح طرز عمل کا تعین کرتی ہے اور یہ بصیرت تقویٰ کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی بصیرت اور اسی قوت امتیاز کو یہاں ''فرقان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۱؎ آدمی کی زندگی اگر متقیانہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں اس سے دور فرما دیتا ہے یعنی گناہوں کے داغ مٹا دیتا ہے اور اس کو اصلاح کی توفیق دیتا ہے اس طرح اسکی سیرت میں خوبیاں نمایاں ہونے لگتی ہیں اور چھوٹے موٹے گناہ اس سے سرزد ہو گئے ہوں تو ان کو اللہ اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔

۴۲؎ اشارہ ہے قریش کی ان سازشوں کی طرف جو وہ نبی ﷺ کے خلاف مکہ میں کر رہے تھے۔ دارالندوۃ میں ان کے سرداروں کا اجتماع ہوا تھا اس میں مختلف تجویزیں زیر غور آئی تھیں کوئی تجویز کر رہا تھا کہ آپ کو قید کر دیا جائے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ جلاوطن کر دیا جائے۔ بالآخر آپ کو قتل کرنے پر سب کا اتفاق ہوا اور صورت یہ تجویز ہوئی کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور وہ سب مل کر ایک ساتھ آپ پر حملہ کریں اور قتل کر دیں۔ اس طرح آپ کا خون سب پر تقسیم ہو جائے گا اور بنی ہاشم سب سے بدلہ نہیں لے سکیں گے اس لئے انہیں خون بہا لینے پر راضی ہونا پڑے گا۔ یہ ابوجہل کی تجویز تھی اور اس کے مطابق ایک رات سب نے مل کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے مطلع کیا اس لئے آپ اس سے پہلے ہی گھر سے نکل چکے تھے لہٰذا ان کی سازش ناکام ہو کر رہ گئی۔

آپ گھر سے خاموشی کے ساتھ نکلے تھے غار ثور پہنچ کر آپ نے وہاں تین دن پناہ لی اس کے بعد مدینہ ہجرت کر گئے یہیں سے ہجری سن شروع ہوتا ہے۔ (یہ واقعہ سیرت ابن ہشام میں تفصیل سے درج ہے ج ۲ ص ۹۲)

۴۳؎ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنیکی سازش کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر کی کہ قریش آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے اور آپ سلامتی کے ساتھ مدینہ پہونچ گئے یہ ہجرت مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوئی اور ان کے لئے غلبہ اور کامیابی کی راہیں کھلتی گئیں۔

۴۴؎ بخاری میں ہے کہ یہ بات قریش کے سردار ابوجہل نے کہی تھی اور دوسری روایتوں میں نضر بن حارث کا نام بھی آتا ہے۔ یہ درحقیقت دعا نہیں تھی بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں وہ جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے کلمات زبان سے نکالتے تھے۔

۴۵؎ یعنی جب تک اللہ کا رسول مکہ میں موجود تھا عذاب نہیں آسکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بستی پر عذاب اسی وقت بھیجتا ہے جب کہ وہ بستی رسول کے وجود کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور رسول اس بستی سے ہجرت کر چکا ہو۔

۴۶؎ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے کے بعد ان کے عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ وہ اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں۔ بالفاظ دیگر وہ اسلام قبول کر لیں۔

۴۷؎ یعنی خانۂ کعبہ کے متولی ہونے کا حق صرف ان ہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ اور اس سے ڈرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کی توحید کو ماننے والے اور اس کی ہدایت پر ایمان لانے والے ہوں۔ مشرک اور کافر اس کے متولی کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ اس گھر کی تعمیر کا مقصد ہی خدائے واحد کی بندگی اور توحید کی دعوت کو عام کرنا تھا اور اس کا معمار (ابراہیم علیہ السلام) بھی توحید خالص کا علمبردار تھا۔

مطلب یہ کہ مسجد حرام پر مشرکین نے جو ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور مسلمانوں کو اس کی زیارت کرنے سے روک رہے ہیں تو وہ اپنی اس ظلم و زیادتی کی بنا پر عذاب کے بجا طور پر مستحق ہو گئے ہیں اس لئے اگر اللہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو ہلاک کر کے مسجد حرام پر سے

بقیہ صفحہ ۵۲۴ پر

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے اور ناپاک کو ایک دوسرے سے ملا کر اکٹھا کرے اور پھر سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ۵۲؎ یہی لوگ تباہ ہونے والے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸ ان کافروں سے کہو اگر باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا اس کے لئے انہیں معاف کردیا جائے گا ۵۳؎۔ لیکن اگر انہوں نے پھر وہی روش اختیار کی تو گذشتہ قوموں کے واقعات گذر چکے ہیں۔ ۵۴؎

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

۳۹ اور ان سے لڑو ۵۵؎ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین تمام تر اللہ کے لئے ہوجائے ۵۶؎۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ۵۷؎

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

۴۰ اور اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار!

۵۲؎ ناپاک یعنی وہ جو شرک، کفر یا الحاد کی نجاست میں مبتلا رہے اور پاک وہ جن کو ایمان کی پاکیزگی نصیب ہوئی۔
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کافروں کو مؤمنوں سے الگ کر دے گا اور پھر ہر طرح کے کافروں کو اکٹھا کر کے نجاست کے اس پورے ڈھیر کو جہنم میں جھونک دے گا۔

۵۳؎ باز آنے سے مراد کفر اور شرک سے باز آنا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو اس سے پہلے اس کی مخالفت میں وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔

۵۴؎ یعنی اگر وہ پھر کافرانہ روش پر چلتے رہے تو اللہ کا قانونِ سزا ان پر بھی اسی طرح نافذ ہوگا جس طرح کہ پچھلی کافر قوموں مثلاً عاد، ثمود اور فرعون وغیرہ پر نافذ ہو چکا ہے۔

۵۵؎ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۲۶۶؎۔

۵۶؎ یہاں کافروں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے دو اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ ''فتنہ'' کا خاتمہ ہو جائے۔ اور دوسرا یہ کہ دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔ ان دونوں باتوں کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سلسلہ کلام کو نگاہ میں رکھا جائے۔ اوپر کفار مکہ کی مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کاروائیوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کے لئے مسجد حرام کی راہ روک دی ہے۔ وہ نہ عمرہ کر سکتے ہیں اور نہ حج، دوسرے یہ کہ وہ اسلام کی سب سے اہم ترین عبادت گاہ (خانۂ کعبہ) کے ناجائز متولی بن بیٹھے ہیں۔ اور اس کا استعمال مشرکانہ رسموں کو انجام دینے کے لئے کر رہے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ کی راہ ۔۔۔ اسلام ۔۔۔ سے لوگوں کو روکنے کے لئے اپنی دولت خرچ کر رہے ہیں یعنی جنگی مقاصد کے لئے اپنے وسائل صرف کر رہے ہیں اور سورہ بقرہ آیت ۱۹۱ میں جہاں ''فتنہ'' کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے وہاں کافروں کے اس ظلم و ستم کا ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کیا۔ بالفاظ دیگر وہ مسلمانوں کا وجود مکہ کی سرزمین پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس قسم کی بات سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷ میں بھی ارشاد ہوئی ہے۔ گویا ان کا اصل جرم شرک تھا جس کے وہ مرتکب ہو رہے تھے اور اس جرم میں مزید سنگینی ان کی جارحانہ کاروائیوں نے پیدا کر دی تھی۔ اس لئے ان کے شرک کو ''فتنہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

رہا دوسرا مقصد یعنی ''دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے'' تو یہ مثبت (Positive) بات ہے اور اس میں دین سے مراد دین توحید یعنی اسلام ہے جس کو قبول کرنے کی دعوت اوپر آیت ۳۸ میں کافروں کو دی گئی ہے اور دین کے تمام تر اللہ کے لئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سرزمین حرم میں دین توحید قائم ہو اور دوسرا کوئی دین بھی یہاں باقی رہنے نہ پائے کیوں کہ اس زمین کو بیت اللہ کی سرزمین ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کی حیثیت اوّل روز سے مرکزِ توحید کی ہے لہٰذا اس سرزمین کو اور اس کے اطراف کے علاقہ کو مشرکانہ مذہب سے ہمیشہ کے لئے پاک کر کے وہاں دینِ توحید کو مکمل طور پر غالب کرنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس علاقہ میں ان ہی لوگوں کو آباد ہونے دیا جائے جو اس دین کو ماننے والے ہوں اور ان پر حکمرانی صرف اسلام کی ہو۔

آیت کا یہ مفہوم جو ہم نے بیان کیا قرآن سے مطابقت رکھنے کے علاوہ اس کی تائید حدیث، روایت اور مفسرین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ۔
(مسلم کتاب الایمان)

''مجھے لوگوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں۔ جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں گے تو ان کے خون اور مال محفوظ ہوں گے الا یہ کہ حق کی بنا پر کسی کے خلاف کوئی کاروائی کرنا پڑے رہا ان کا حساب تو وہ اللہ کے ذمہ ہے۔''

اور جہاں تک روایات کا تعلق ہے عروہ بن زبیر نے فتنہ کی تشریح مکہ کے ظلم و جبر سے کی ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی اور ابن عباس، مجاہد حسن، قتادہ اور دوسرے حضرات نے فتنہ سے شرک مراد لیا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۲ ص ۱۱۱۳ اور ج ۸ ص ۱۶۲) رہے مفسرین تو انہوں نے بھی یا تو پہلے قول کو ترجیح دی ہے یا دوسرے قول کو۔ مثلاً مشہور مفسر ابن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں :

فقاتلوھم حتی لا یکون شرک و لا یعبد الا اللہ وحدہ لا شریک لہ فیرتفع البلاء عن عباد اللہ من الارض وھو الفتنۃ ویکون الدین کلہ للہ یقول وحتی تکون الطاعۃ والعبادۃ کلھا للہِ خالصۃ دون غیرہ۔ (تفسیر طبری ج ۹ ص ۱۶۲)

''ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ شرک باقی نہ رہے اور اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کی جانے لگے اس طرح اللہ کے بندوں کو زمین میں جس آزمائش سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ یعنی فتنہ اٹھ جائے۔ اور دین تمام تر اللہ کا ہو جائے کا مطلب یہ ہے کہ جنگ اس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ طاعت و عبادت پوری طرح اور خالصۃً اللہ کے لئے مخصوص نہ ہو جائے۔''

البتہ بعض معاصرین نے دین کو نظام زندگی یا نظام اطاعت کے معنی میں لیا ہے اور اس حکم کو کہ دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے سرزمین حرم کے لئے خاص نہ قرار دیتے ہوئے اسلام کے سیاسی غلبہ اور قوانین الٰہی کے نفاذ پر محمول کیا ہے اور یہ تشریح کی ہے کہ مشرکین اپنے عقیدہ پر قائم رہ سکتے ہیں مگر انہیں خدا کی زمین پر باطل قوانین جاری کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس آیت کی یہ توجیہہ دیگر وجوہ کے علاوہ اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ آیت میں یہ کہنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے کہ دین اللہ کے لئے ہو جائے بلکہ یہ حکم کلّہٗ یعنی ''پورا کا پورا دین'' کی صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ اگر اسے صرف قانون اسلام کی حکمرانی کے معنی میں لیا جائے تو اس پر پورے دین کا اطلاق کس طرح ہوگا؟

رہا یہ سوال کہ پھر اسلام نے ذمیوں کو جو امان دی ہے اس کی بنیاد کیا ہے تو اس کی بنیاد یہ آیت نہیں بلکہ سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ ہے۔

۵۷۔ باز آنے سے مراد شرک اور اس کی فتنہ سامانیوں سے باز آنا ہے۔ اگر وہ باز آتے ہیں تو اللہ ان کے گذشتہ جرائم سے درگزر فرمائے گا۔ اور آئندہ جو عمل وہ کریں گے اس کو وہ دیکھے گا۔

بقیہ صفحہ ۵۲۱ سے آگے

ان کا تسلط ختم کردے تو یہ انصاف کے بالکل مطابق ہوگا۔

۴۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ ماعون نوٹ ۵۔

۴۹۔ بدر میں کافروں کو جو چپت لگی وہ عذاب الٰہی کی ہی ایک قسط تھی۔

ضروری نہیں کہ اللہ کا عذاب طوفان اور زلزلہ کی شکل ہی میں آئے۔ وہ جنگ کی تباہ کاریوں کی شکل میں بھی آ سکتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بدر سے لیکر حنین تک جو جنگیں لڑی گئیں ان میں تباہی کافروں ہی کے حصہ میں آئی۔

۵۰۔ یعنی کفر و اسلام کی جنگ میں کافروں کے لئے شکست مقدر ہے۔ وہ اسلام کی راہ روکنے کے لئے آج ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اپنا مال بے دریغ خرچ کر رہے ہیں لیکن اس کا نتیجہ ان کے حق میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہ نکلے گا۔

۵۱۔ یعنی جو لوگ اخیر وقت تک کفر پر قائم رہیں گے انکو جہنم کی طرف ڈھکیل دیا جائے گا۔

اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہوجائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی صبر کرو۔ کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے لئے دکھاوا کرتے ہوئے نکلے اور جن کا حال یہ ہے کہ (بندگان خدا کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (القرآن)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ
الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱

۴۱ اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہو ۵۸؎ اس کا پانچواں حصّہ اللہ کیلئے اور رسول کیلئے اور (رسول) کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے ۵۹؎ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے فیصلہ کے دن ۶۰؎ جس دن دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے اپنے بندہ پر نازل کی ۶۱؎ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۶۲؎

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ
الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي
الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ۙ

۴۲ اس وقت تم وادی کے قریبی کنارہ پر تھے اور وہ دور کے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا۔ اگر تم باہم مقابلہ کی بات طے کر کے نکلتے تو تم میعاد پر پہنچ نہ پاتے ۶۳؎ لیکن جو بات ہونے والی تھی اس کو اللہ پورا کرنا چاہتا تھا ۶۴؎ تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ حجت دیکھ کر زندہ رہے ۶۵؎ یقیناً اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ
كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴۳

۴۳ اس وقت (اے پیغمبر!) اللہ تمہیں خواب میں ان کو کم دکھا رہا تھا ۶۶؎ اگر انہیں زیادہ دکھاتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور جنگ کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگتے لیکن اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔ یقیناً وہ ان باتوں کو جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا
وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴ۧ

۴۴ اور جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اس نے تمہاری نظروں میں ان کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نظروں میں تم کو کم کر کے دکھایا ۶۷؎ تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے وہ کر دکھائے۔ اور سارے امور پیش تو اللہ ہی کے حضور ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵ۚ

۴۵ اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو جائے ۶۸؎ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ ۶۹؎

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ
رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶ۚ

۴۶ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ۷۰؎ ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی صبر کرو ۷۱؎۔ کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ
النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷

۴۷ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے لئے دکھاوا کرتے ہوئے نکلے اور جن کا حال یہ ہے کہ (بندگان خدا کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ۷۲؎ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

۵۸؎ یعنی وہ مال واسباب جو جہاد میں کافروں سے مسلمانوں کے ہاتھ آجائے۔

واضح رہے کہ یہاں جو حکم بیان کیا جارہا ہے وہ اموال منقولہ (Movable Property) کا ہے۔ رہے غیر منقولہ (Immovable Property) تو ان کا حکم سورہ حشر آیت ۷ میں بیان ہوا ہے۔

۵۹؎ یعنی مال غنیمت میں سے سب سے پہلے اس کا پانچواں حصّہ (بیس فی صد) نکالا جائے گا اور اس کو ان مقاصد پر صرف کیا جائے گا جو اس آیت میں بیان ہوئے ہیں۔

اللہ کے لئے ہے یعنی اللہ کے دین کی اشاعت اور اس کی راہ میں جہاد کیلئے ہے۔ رسول کیلئے ہے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اس میں سے اپنی ضروریات پر صرف کرسکتا ہے۔ نبی ﷺ اپنے حصہ کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں پر خرچ کرتے رہے اور آپ کے بعد اس کا مصرف اسی نوعیت کے کام ہیں۔

قرابت داروں سے مراد رسول کے قرابت دار ہیں۔ چونکہ آپ نے اپنے رشتہ داروں پر زکوٰۃ حرام کردی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاندان نبوت کے حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا سامان مال غنیمت سے کردیا۔

یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی مال غنیمت سے اعانت بھی کی جاسکتی ہے اور ان کی فلاح و بہبود پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی حکومت جو شکل مناسب سمجھے اختیار کرسکتی ہے۔ مسافروں سے مراد وہ مسافر ہیں جو حالت سفر میں مدد کے مستحق ہوگئے ہوں اگرچہ کہ وہ اپنے وطن میں غنی ہوں۔

یہ تو ہوا خُمس (پانچویں حصّہ) کا مصرف۔ رہے چار حصّے (اسّی فیصد) تو وہ مجاہدین میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ یہ حکم نہیں دیا ہے کہ یہ ۵/۴ لازماً مجاہدین میں تقسیم کیا جانا چاہیئے بلکہ صرف ۵/۱ کا حکم بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ اس لئے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اسلامی حکومت اس ۵/۴ کو دفاعی ضروریات اور ریاست کے استحکام وغیرہ پر صرف کرنا چاہتی ہے تو ایسا کرسکتی ہے اور موجودہ زمانہ میں جب کہ جنگ کے طور طریقے بالکل بدل گئے ہیں اس کی ضرورت بالکل ظاہر ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں نہ باقاعدہ فوج رکھی جاتی تھی اور نہ ان کو تنخواہ دی جاتی تھی بلکہ قبائلی نظام ہونے کی وجہ سے اس وقت ہر شخص سپاہی ہوا کرتا تھا اور مؤمن ہونے کی حیثیت سے مجاہد، ہتھیار بھی خود فراہم کرتا تھا اور جہاد کے لئے اپنا مال بھی خرچ کرتا تھا اس لئے اس وقت مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کرنا ہی بہتر تھا لیکن موجودہ زمانہ میں جب کہ حکومت کو باقاعدہ فوج رکھنا پڑتی ہے اور اس کی تنخواہ کا بار اٹھانے کے علاوہ دفاع (Defence) کے لئے بڑے پیمانہ پر اسلحہ وغیرہ کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ مال غنیمت کو اس مد میں خرچ کئے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ پھر دشمن سے جو سامان جنگ حاصل ہوتا ہے مثلاً ٹنک، بم، ہوائی جہاز وغیرہ تو وہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ سپاہیوں میں تقسیم کردی جائیں بلکہ یہ سب حکومت ہی کی ملک ہوسکتی ہیں اور ان کو دفاعی ضروریات کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

ہماری اس رائے کی تائید کہ حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے علامہ ابن تیمیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ موصوف ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وھذا دلیل علی ان الغنیمۃ للامام ان یقسمھا باجتھادہ کما یقسم الفیٔ باجتھادہ اذا کان امام عدل قسما بعلم وعدل لیس قسمتھا بین الغانمین کقسمۃ المیراث بین الورثۃ وقسمۃ الصدقات فی الاصناف الثمانیہ۔

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۷ ص ۴۹۵)

''یہ یعنی (نبی ﷺ کا نومسلموں کی تالیف قلب کیلئے مال غنیمت میں سے بڑے بڑے عطیے دینا) اس بات کی دلیل ہے کہ امام (حکومت) کو اپنے اجتہاد سے اس کو تقسیم کرنے کا اسی طرح اختیار ہے جسطرح کہ اسے اپنے اجتہاد سے اموال فیٔ تقسیم کرنے کا اختیار ہے۔ جب کوئی انصاف پسند امام ہو تو وہ علم وعدل کے ساتھ مالِ غنیمت تقسیم کرے گا۔ مجاہدین میں اس کی تقسیم کا معاملہ ورثاء میں میراث کی تقسیم جیسا نہیں ہے اور نہ صدقات کی تقسیم جیسا ہے جو آٹھ اصناف میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔''

دوسری جگہ موصوف نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ چوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کافروں کے مال پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ ان کی طرف

سے قبول اسلام کی امید تھی اس لئے امام (حکومت) غنیمت کے معاملہ میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرسکتا ہے جو مطابق مصلحت ہو۔

و کان فی ھذا ما دل علی ان الامام یفعل بالاموال والرجال والعقار والمنقول ما ھو اصلح (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۷ ص ۴۹۲)

''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اموال، افراد، جائداد اور اموال منقولہ کے معاملہ میں امام وہ طریقہ اختیار کرسکتا ہے جو زیادہ مطابق مصلحت ہو۔''

۶۰۔ جنگ بدر کے دن کو یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ اس جنگ میں اللہ کا فیصلہ کھلے طور پر ظاہر ہوگیا تھا اور حق و باطل کا امتیاز بالکل نمایاں ہوگیا تھا۔

۶۱۔ یعنی اللہ نے اپنے رسول پر فرشتوں کی جو فوج اتاری اور غیب سے تائید و نصرت کا جو سامان کیا۔

۶۲۔ لہٰذا اللہ اپنے رسول کے لئے غیب سے نصرت کا سامان کرسکتا ہے۔

۶۳۔ یعنی لڑائی کا نقشہ اس طرح تھا کہ بدر کی وادی کا جو حصہ مدینہ کی جانب تھا وہاں مسلمانوں کا لشکر پہنچ گیا اور وادی کا جو حصہ مکہ کی جانب تھا وہاں کافروں کا لشکر تھا اور تجارتی قافلہ کافروں کے لشکر کی پشت پر تھا اور نیچے کی جانب یعنی ساحل سمندر سے گزر رہا تھا یہ محاذ آرائی جو بظاہر مسلمانوں کے لئے بڑی ناسازگار تھی نصرت الٰہی نے اسے مسلمانوں کے حق میں بالکل سازگار بنادیا اور وہ اس طرح کہ تجارتی قافلہ کافروں کی پشت پر اور ان سے قریب ہونے کے باوجود ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا بلکہ بے خبری کے عالم میں دوسرے راستہ سے مکہ کی طرف نکل گیا۔ پھر عین وقت پر جو بارش ہوئی اس نے وادی کے اس حصہ کی زمین کو جہاں کافروں کا لشکر تھا نرم اور کیچڑ والی بنادیا بخلاف اس کے مسلمانوں کے لشکر کی زمین کو قدم جمانے کے لائق بنادیا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت جس انداز کی جنگیں لڑی جاتی تھی ان کی ناکامی اور کامیابی میں محل جنگ کا بڑا دخل ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حالات کچھ ایسے بنادیئے کہ محل جنگ اور وقت جنگ دونوں مسلمانوں کے لئے سازگار ہوگئے۔ یہ حسن اتفاق اللہ تعالیٰ کی ہی کرشمہ سازی تھی ورنہ اگر مسلمانوں اور کافروں کے لشکر ایک دوسرے کو چیلنج کرکے طے شدہ پروگرام کے تحت نکلتے تو ٹھیک ایسے وقت پر جب کہ بارش ہوئی اور ٹھیک اس جگہ پر جہاں محاذ آرائی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوئی پہنچ نہیں سکتے تھے اور ایسی صورت میں لڑائی کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

۶۴۔ یعنی اللہ نے جو بات طے کی تھی وہ واقع ہوجائے اور بدر کا میدان حق و باطل کی معرکہ آرائی کا میدان بن جائے۔

۶۵۔ بدر کی جنگ دو قوموں کی جنگ نہیں تھی جو مادی اغراض کے لئے لڑی جاتی ہے بلکہ یہ خالصۃً حق و باطل کی جنگ تھی۔ اس میں جہاں حق نمایاں ہوکر سامنے آگیا تھا اسی طرح باطل بھی بے نقاب ہوگیا تھا۔ اس چیز نے لوگوں پر اللہ کی حجت آخری طور سے قائم کردی تھی۔ آیت میں ہلاک ہونے سے مراد کفر کی ہلاکت ہے اور زندہ رہنے سے مراد ایمان کی زندگی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص کفر کی موت مرنا چاہتا ہے اس پر اللہ کی حجت آخری طور سے قائم ہو تاکہ وہ یہ عذر نہ کرسکے کہ حق مجھ پر پوری طرح واضح نہیں ہوا تھا اور جو ایمان کی راہ اختیار کرکے زندہ جاوید بننا چاہتا ہے وہ اللہ کی اس حجت سے بصیرت حاصل کرے۔

۶۶۔ یہ محاذ جنگ پر پہنچنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کے لشکر کو تعداد میں کم دکھایا اور اس خواب کو جب آپ نے مسلمانوں کے سامنے بیان کیا تو ان کی ہمت بندھ گئی۔ یہ تعداد میں کم دکھانا معنوی اعتبار سے تھا۔ یعنی کفار کی بڑی تعداد اخلاق اور حوصلہ کے اعتبار سے کوئی وزن نہیں رکھتی تھی اس لئے ان کی بڑی تعداد تھوڑی تعداد کے برابر تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب حقیقت کے اعتبار سے بالکل سچا تھا لیکن چونکہ خواب مجاز کے پیرایہ میں ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ کافروں کا لشکر تعداد میں کم ہے اور ان کا یہ سمجھنا مفید ہی ثابت ہوا کیونکہ اس کے پیش نظر ان کے لئے کافروں کا مقابلہ کرنا آسان ہوگیا۔

۶۷۔ جب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر کی کہ مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی تعداد کم دکھائی دی اس لئے ان کے حوصلے قائم رہے اور دوسری طرف کافروں کو مسلمان بہت کم تعداد میں دکھائی دینے لگے اس لئے انہوں نے یہ سوچ کر کہ ان مٹھی بھر انسان کو ختم کرنا آسان ہے جنگ کے لئے

پہل کی اس طرح وہ معرکہ کارزار گرم ہوا جو حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی بھر مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں میں کچھ ایسا ڈال دیا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

۶۸۔ یعنی جب کبھی کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو۔

۶۹۔ کامیابی (فلاح) سے مراد حقیقی کامیابی ہے یعنی دنیا میں اللہ کی نصرت اور آخرت میں اس کی طرف سے اجر عظیم۔

اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہنا اور اللہ کو بہ کثرت یاد کرنا۔ اللہ کی نصرت اس وقت نازل ہوتی ہے جب اہل ایمان اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی وہ جنگیں جو خدا کو بھول کر محض مادی مقاصد کے لئے لڑی جاتی ہیں۔ نصرتِ الٰہی سے محرومی کا باعث ہیں۔

۷۰۔ جنگ کے موقع پر نظم (Discipline) کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور اختلاف سے بدنظمی اور جماعت میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ اختلاف نہ کرنا۔

۷۱۔ صبر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اپنی رائے کے خلاف ڈسپلن کا ثبوت دے تاکہ حق و باطل کی جنگ میں مسلمانوں کے اندر انتشار کی صورت پیدا نہ ہو۔

۷۲۔ اشارہ ہے لشکر کفار کی طرف جو اپنی کثرت پر ناز کرتے ہوئے اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ سے نکلا تھا اور جس کا مقصد دین حق کی راہ روکنا تھا۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ اختیار نہ کرنا۔ یہ ایک مستقل ہدایت ہے جو مسلمانوں کو دی گئی ہے تاکہ ان کی فوج کافروں کی فوج سے ہر جنگ کے موقع پر ممتاز رہے۔ وہ اللہ کے سپاہی ہیں اور ان کی جنگ کا مقصد بندگان خدا کے لئے دین حق کی راہ کھولنا ہے اس لئے جنگ میں بھی ان کی شان عبادت کی ہونی چاہیئے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸

۴۸ اور (وہ وقت سخت امتحان کا تھا) جب کہ شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہوں میں کھبا دیئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا حامی ہوں۔ مگر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ ۷۳؎

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹

۴۹ جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہہ رہے تھے ۷۴؎ کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ ۷۵؎ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰

۵۰ اور اگر تم اس حالت کو دیکھ سکتے جب کہ فرشتے کافروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں ۷۶؎۔ اور کہتے ہیں چکھو جلنے کے عذاب کا مزا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱

۵۱ یہ تمہارے اپنے کرتوتوں کا بدلہ ہے ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲

۵۲ ان کا حال وہی ہوا جو فرعون والوں اور ان سے پہلے کے لوگوں کا ہوا تھا ۷۷؎۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا اللہ نہایت قوی اور سخت سزا دینے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳

۵۳ یہ اس لئے ہوا ۷۸؎ کہ اللہ اس نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل دے ۷۹؎ اور اس لئے بھی کہ اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ ۸۰؎

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴

۵۴ ان کا معاملہ بھی آل فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں ہی کی طرح ہے ۸۱؎۔ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ۙ

۵۵ یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے۔ ۸۲؎

الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۵۶

۵۶ جن لوگوں سے تم نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنا عہد ہر مرتبہ توڑتے رہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ ۸۳؎

۷۳۔ شیطان اپنے ہتھکنڈے اس طرح استعمال کرتا ہے کہ انسان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ شیطان میرے سامنے کھڑا ہے اور وہ مجھے غلط اقدامات پر اکسا رہا ہے۔ وہ نہایت خفیہ طریقے پر انسان کے نفس سے براہ راست ہم کلام ہوتا ہے اور اس کی یہ گفتگو اشاروں کی زبان میں ہوتی ہے جو وسوسوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آدمی کا نفس اگر بیدار ہو۔ اور یہ بیداری ایمان ہی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ ایک برا خیال ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوا ہے پھر وہ اس کا اثر قبول نہیں کرتا۔

جنگ بدر کے موقع پر شیطان نے اپنے چیلوں (کافروں) سے جو بات کہی تھی وہ اسی نوعیت کی تھی اور اس پر دلیل قرآن کی وہ آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (الحشر۔۱۶)

''شیطان کی طرح جو انسان سے کفر کرنے کے لئے کہتا ہے اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو کہتا ہے میں تجھ سے بری ہوں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''

ظاہر ہے شیطان یہ باتیں روبرو ظاہر ہو کر نہیں کہتا بلکہ وسوسہ اندازی کر کے کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو اس کے نتائج کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا بلکہ وہ اسے چھوڑ دیتا ہے کہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔ ایسی ہی بات شیطان نے بدر کے موقع پر بھی کافروں کے دل میں ڈالی تھی۔

اس پر دوسری دلیل آیت زیر تفسیر کا پہلا فقرہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہوں میں کھبا دیئے تھے۔'' ظاہر ہے کاموں کو نگاہوں میں کھبانے کا کام شیطان نے اپنے مخصوص انداز میں کیا تھا نہ کہ انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اس لئے شیطان کے قول کو بھی اسی انداز کی چیز سمجھنا چاہیئے۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اپنے کلام کے معنیٰ کو)

اور شیطان نے یہ جو بات کہی تھی کہ ''میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے'' تو اس سے مراد اس کا فرشتوں کو دیکھنا ہے جو جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی مدد کے لئے نازل ہوئے تھے اور فرشتوں کے مقابلہ میں وہ ٹک نہیں سکتا تھا اس لئے اس نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس نے جب یہ بات اشارتی زبان میں کافروں سے کہی ہوگی تو عجب نہیں کہ ان کے دل میں تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ یہ جو شکست کا سامنا ہمیں کرنا پڑ رہا ہے تو یہ کہیں خدا کی مار تو نہیں ہے جو ہم پر پڑ رہی ہے۔

۷۴۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمان کافروں کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے۔ ''جن کے دلوں میں روگ ہے'' سے مراد یہود ہیں جو اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کے دلوں میں کفر کی بیماری تھی۔

۷۵۔ یعنی مسلمان دینی جنون میں ایسے مبتلا ہو گئے ہیں کہ انہیں اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہیں رہی وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود قریش کی طاقتور فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

۷۶۔ یہ جان کنی کے وقت کی حالت ہے جو بیان ہوئی ہے اس لئے اس کا تعلق روح سے ہے اور اصل انسان وہی ہے جو جسم انسانی کے اندر ہے۔ محض جسم کو انسان سمجھنا صحیح نہیں اور موت کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور یہ روح اگر ایک کافر آدمی کی ہے تو اس پر فرشتوں کی مار پڑتی ہے اور وہ اس سے کہتے ہیں کہ آگ کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جا۔

۷۷۔ یعنی بدر میں ان کافروں کو جو سزا ملی وہ اسی طرح کی سزا ہے جو فرعون والوں اور دوسری سرکش قوموں کو ملتی رہی کیونکہ انہوں نے بھی وہی روش اختیار کی جو ان قوموں نے اختیار کی تھی۔

۷۸۔ یعنی یہ سزا انہیں اس لئے ملی کہ۔

۷۹۔ یہ قوموں کے عروج وزوال کا قانون ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے جب کسی قوم کو اللہ نعمت عطا کرتا ہے تو اسی صورت میں اس کو چھین لیتا ہے جب

کہ وہ اس کی ناقدری کرتی ہے اور اپنے کو اس کا نااہل ثابت کر دکھاتی ہے۔ امن و امان، خوش حالی، عزت و اقتدار سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اس کی سرکشی کی بنا پر ان نعمتوں کو چھین لینا چاہتا ہے تو اس پر خوف و ہراس طاری کرتا ہے۔ کبھی تو وہ آپس ہی میں لڑنے مرنے لگتی ہے اور کبھی اس پر جنگ کے بادل منڈلانے لگتے ہیں اس طرح خوشحالی معاشی تنگی میں بدل جاتی ہے یا حادثات اور وباؤں کا سلسلہ چلتا ہے۔ رہا عزت و اقتدار کا معاملہ تو وہ بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور ذلت شکست، غلامی اور دوسری قوموں کے دست نگر ہونے جیسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

قریش کو مکہ میں جو امن و امان حاصل تھا وہ ان کی سرکشی کی وجہ سے جنگ میں تبدیل ہو گیا اور بدر نے ان کی عزت کو خاک میں ملا دیا یہاں تک کہ ان کی بااقتدار شخصیتیں یا تو قتل ہو گئیں یا انہیں اسیر ہو کر دربار نبویؐ میں حاضر ہونا پڑا۔ آیت کا اشارہ ان کی اسی حالت کی طرف ہے۔

۸۰۔ یعنی جب اللہ سننے والا جاننے والا ہے تو اس کو قوموں کے قول و فعل کی خبر کیسے نہ ہو گی۔ اور جب خبر رکھتا ہے تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کیوں نہیں کرے گا جس کے وہ مستحق ہیں؟

۸۱۔ یہ قریش کو آئندہ کے لئے تنبیہ ہے کہ جو کچھ بدر میں تمہیں پیش آیا وہ عذاب کی ایک قسط تھی لیکن اگر تم سرکش قوموں ہی کی ڈگر پر چلتے رہے تو پھر پوری قوم عذاب کی لپیٹ میں اسی طرح آئے گی جس طرح کہ سابقہ قومیں آتی رہی ہیں۔

۸۲۔ یعنی ان کا کفر اتنا شدید ہے کہ وہ کسی طرح ایمان لانے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

جو شخص کفر کی راہ اختیار کرتا ہے وہ عقل و ہوش سے کام نہیں لیتا بلکہ اندھا بن جاتا ہے اور اپنے کو انسانیت کے درجہ سے گرا کر جانوروں سے بھی زیادہ پست سطح پر لے آتا ہے۔

۸۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد یہود سے دوستانہ معاہدہ کیا تھا جس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ وہ قریش کی پشت پناہی نہیں کریں گے لیکن یہود ہر موقع پر اس کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ وہ قریش کو مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف اکساتے بھی رہے اور ان کی پشت پناہی بھی کرتے رہے آیت کا اشارہ خاص طور سے ان ہی کی طرف ہے۔

اے نبی! تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور ان مؤمنوں کے لئے بھی جنہوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے۔ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تمہارے سو آدمی ایسے ہونگے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ (القرآن)

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷ ایسے لوگوں کو اگر تم لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں، ان کے قدم اکھڑ جائیں اور وہ سبق لیں۔ ۸۴؎

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸ اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد سیدھے طریقہ پر ان کے آگے پھینک دو ۸۵؎۔ اللہ بدعہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹ کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بازی لے جائیں گے ۸۶؎۔ وہ ہمارے قابو سے ہرگز باہر نہیں جا سکتے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰ اور ان کے مقابلہ کے لئے ۸۷؎ جہاں تک تم سے ہو سکے طاقت مہیا کئے رہو ۸۸؎ اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو ۸۹؎ تاکہ اس کے ذریعے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو نیز ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے ۹۰؎ ہیبت زدہ کر سکو۔ اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے ۹۱؎ وہ تمہیں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ناانصافی نہ ہوگی۔ ۹۲؎

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

۶۱ اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ ۹۳؎ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یقیناً وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲ اور (اے پیغمبر!) اگر وہ تمہیں دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے ۹۴؎۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مؤمنوں کے ذریعہ تمہاری تائید کی۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

۶۳ اور اسی نے ان کے دلوں کو باہم جوڑ دیا۔ اگر تم زمین کے سارے وسائل صرف کر دیتے تو ان کے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے لیکن وہ اللہ ہے جس نے ان کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی ۹۵؎۔ بلاشبہ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۹۶؎

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴ اے نبی! تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور ان مؤمنوں کے لئے بھی جنہوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمہارے سو آدمی ایسے ہونگے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔ ۹۷؎

۸۴؎ یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والوں میں سے کوئی شخص یا کوئی گروہ دشمنوں کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ لڑنے کے لئے آجائے تو اسے بلا تامل قتل کرو اور عبرت ناک سزا دو۔

۸۵؎ یعنی جس قوم سے تمہارا معاہدہ ہو وہ اگر معاہدہ کا احترام نہیں کرتی اور اس کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہو کہ وہ موقع پاتے ہی تمہارے خلاف کارروائی کرے گی تو تم اس کے معاہدہ کو سیدھے سیدھے اس کے منھ پر دے مارو کہ بدعہدی کرنے والے اسی کے مستحق ہیں۔ اس طرح جب تمہاری طرف سے معاہدہ کے ختم ہونے کا اعلان ہو جائے تو تم اس کے خلاف کارروائی کر سکتے ہو لیکن معاہدہ کو برقرار رکھتے ہوئے چھپے طریقہ پر اس قوم کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔

یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ معاہد قوم سے عہد کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو لیکن اگر معاہد قوم کھلے بندوں عہد کی خلاف ورزی کر بیٹھتی ہے جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد کفار مکہ کر بیٹھے تھے تو معاہدہ خود بخود ٹوٹ جائے گا اور کسی رسمی اعلان کی ضرورت نہ ہوگی۔

واضح رہے کہ یہاں معاہدہ سے مراد نا جنگ اور صلح کا معاہدہ ہے۔ رہے موجودہ زمانہ کے تجارتی اور ثقافتی معاہدے تو جب تک ان کو ختم نہیں کیا جاتا ان کا احترام اپنے دائرہ میں ضروری ہے لیکن جنگ کی صورت میں ایسے معاہدے خود بخود کالعدم ہو جاتے ہیں۔ وہ کسی قوم کے خلاف جنگی کارروائی کرنے میں مانع نہیں ہیں۔

۸۶؎ یعنی کافر اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ خدائی فیصلہ سے بچ کر آگے نکل جائیں گے بلکہ خدا نے ان کے مغلوب ہونے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ لازماً ان پر نافذ ہو کر رہے گا۔

۸۷؎ یعنی کافروں کے مقابلہ کے لئے۔

۸۸؎ طاقت (قوۃ) مہیا رکھنے میں افرادی قوت (Man Power) بھی شامل ہے اور ہر قسم کا جنگی ساز و سامان بھی۔

جنگ بدر میں مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں نکلے تھے کیوں کہ وہ اس موقف میں نہیں تھے کہ جنگ کے لئے بھرپور تیاری کر سکیں لیکن آئندہ کے لئے انہیں ہدایت کر دی گئی کہ جس حد تک ممکن ہو تربیت یافتہ فوج (Trained Military) بھی تیار رکھو اور جنگی سامان بھی تاکہ جب ضرورت پیش آجائے میدان جنگ میں اتر سکو۔

۸۹؎ جنگ میں گھوڑوں کی اہمیت مسلم ہے۔ اس زمانہ میں اس سے زیادہ تیز رفتار اور جنگی کارروائی کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی دوسری سواری نہیں تھی اس لئے خصوصیت کے ساتھ جنگی گھوڑوں کو تیار رکھنے کا حکم دیا گیا۔

موجودہ زمانہ میں ٹنک، آبدوز، ہوائی جہاز، میزائل، راکٹ وغیرہ زبردست جنگی اہمیت رکھنے والی چیزیں ہیں اس لئے آیت کا منشاء پورا کرنے کے لئے ان چیزوں کو مہیا رکھنا ہوگا۔

۹۰؎ اشارہ ہے ان دشمن اسلام طاقتوں کی طرف جو ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھیں لیکن آئندہ ان سے سابقہ پیش آنے والا تھا چنانچہ آگے چل کر مسلمانوں کو نہ صرف یہود اور عرب قبائل سے بلکہ وقت کی سب سے بڑی طاقتوں فارس و روم سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا۔

۹۱؎ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد جہاد کے لئے خرچ کرنا ہے اور سامان جنگ کی تیاری کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کے لئے کثیر مالی وسائل کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اس مقصد کے پیش نظر انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔

۹۲؎ یعنی آخرت میں اس کا پورا پورا اجر ملے گا اور کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔

۹۳؎ آیت ۳۹ میں مشرکین کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا تھا یہاں تک کہ سرزمین حرم شرک سے پاک ہو جائے، اور یہاں فرمایا کہ اگر وہ صلح کے لئے جھک جائیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ یہ دوسری بات پہلی بات کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ آخری مقصد (Goal) تو سرزمین

حرم سے شرک کے خاتمہ تک مشرکین سے جنگ جاری رکھنا ہے لیکن درمیانی مرحلے ایسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لیا جائے کیوں کہ یہ صلح شرک کے خاتمہ کے لئے فضا کو سازگار بنا سکتی ہے اور جنگ کا جوش ٹھنڈا پڑ جانے کی صورت میں کتنے ہی لوگ اسلام پر غور کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ اور کتنوں ہی کے دل کے دروازے ہدایت کیلئے کھل سکتے ہیں۔ پھر جو کام فہمائش کے ذریعہ کیا جا سکتا ہو اس کے لئے خونریزی کیوں کی جائے۔

۹۴۔ یعنی بے جا اندیشوں کی بنا پر صلح کی پیشکش کو ٹھکرانا مناسب نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے اسے قبول کر لیا جائے۔ اگر تمہاری نیت بخیر ہے اور اللہ پر تم نے بھروسہ کیا ہے تو دشمن تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ دشمن کی چالوں کا توڑ کرنے کے لئے اللہ کافی ہے۔

۹۵۔ یعنی عرب قبائل کے درمیان جو شدید دشمنی چلی آ رہی تھی۔ اس کو ختم کر کے حقیقی معنی میں ان کے اندر جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی اور دنیا بھر کے وسائل صرف کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اللہ نے یہ کرشمہ دکھایا جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ وہ ایمان لا کر ایک جماعت اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

۹۶۔ یعنی وہ غالب ہے اس لئے اس کا منصوبہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کے فیصلے نہایت حکیمانہ ہوتے ہیں۔

۹۷۔ یعنی وہ حق کو سمجھنے سے محروم ہیں اس لئے ان کی لڑائی تمام تر باطل مقاصد کے لئے ہے اور جو گروہ باطل مقاصد کے لئے لڑ رہا ہو وہ اپنی اندرونی اور معنوی قوت کے اعتبار سے کمزور ہی رہے گا۔ بخلاف اس کے اہل ایمان حق کو سمجھ چکے ہوتے ہیں اور ان کی جنگ خالصۃً کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے ہوتی ہے اس لئے ان میں زبردست روحانی اور معنوی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جان دینا، جان کو کھونا نہیں بلکہ اس کو پانا اور مر کر زندہ جاوید ہو جانا ہے اس لئے وہ بے جگری کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اہل ایمان کو ان کی اسی معنوی طاقت کا احساس دلاتے ہوئے جہاد پر ابھارا گیا ہے اور انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کافروں کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر جنگی اقدام کرنے سے نہ رکیں خواہ کافروں کی تعداد اہل ایمان کے مقابلہ میں دس گنی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ باطل باطل کے مقابلہ میں تو زور دکھا سکتا ہے لیکن حق کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا۔

بیس اور سو کی تعداد یہاں مثالاً بیان ہوئی ہے اور غالباً اس مناسبت سے کہ اس وقت جنگ میں فوج کی تنظیم بیس بیس اور سو سو کے دستوں کی شکل میں ہوتی ہوگی۔

اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ لہٰذا اگر تمہارے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوئے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوئے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ کسی نبی کے لئے سزاوار نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں غلبہ حاصل نہ کر لے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت چاہتا ہے۔ اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶

۶۶ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ لہٰذا اگر تمہارے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوئے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوئے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے ۹۸؎۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۡ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷

۶۷ کسی نبی کے لئے سزاوار نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں غلبہ حاصل نہ کر لے۔ ۹۹؎ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت چاہتا ہے ۱۰۰؎۔ اللہ غالب ہے حکمت والا۔ ۱۰۱؎

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸

۶۸ اگر اللہ کا فرمان پہلے سے موجود نہ ہوتا تو تمہارے قید کر لینے کے نتیجہ میں تم کو سخت سزا بھگتنا پڑتی۔ ۱۰۲؎

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹ۧ

۶۹ پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے ۱۰۳؎۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰

۷۰ اے نبی! تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہدو، اگر اللہ نے جان لیا کہ تمہارے دلوں میں کچھ بھلائی ہے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں معاف کریگا ۱۰۴؎۔ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

۷۱ اور اگر وہ تم سے بے وفائی کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ اللہ کے ساتھ بے وفائی کر چکے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس نے ان کو تمہارے قابو میں دیدیا ۱۰۵؎۔ اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۷۲

۷۲ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی ۱۰۶؎ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ۱۰۷؎ اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی ۱۰۸؎، وہی آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں ۱۰۹؎۔ اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی ان سے تمہارا رفاقت کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں ۱۱۰؎۔ ہاں، اگر دین کے معاملہ میں وہ تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد لازم ہے الّا یہ کہ وہ کسی ایسی قوم کے خلاف مدد طلب کریں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ ۱۱۱؎ اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ کی نگاہ میں ہے۔

۹۸؎ مطلب یہ ہے کہ جب مسئلہ دشمن کے خلاف اقدام کا ہو تو اگر دشمن کی طاقت تم سے دس گنا بھی ہو تو تمہیں اس کے خلاف اقدام کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ اہل ایمان کے لئے مقابلہ کا اصل معیار یہی ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں بیان ہوا لیکن فی الحال جب کہ تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو پختہ کار نہیں ہیں اور صبر و ثبات کے لحاظ سے معیار مطلوب پر نہیں ہیں چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر ان سے مختلف کمزوریوں کا اظہار ہوا جس پر اس سورہ میں گرفت بھی ہوئی ہے اس لئے تمہاری ذمہ داری کو ہلکا کیا جاتا ہے۔ اب اگر دشمن کی طاقت دوگنی ہو تو تمہیں اس کے خلاف اقدام کرنے میں ہرگز تامل نہیں ہونا چاہیئے۔

یہ رعایت اس موقع کے لئے ہے جب کہ دشمن کے خلاف اقدام کر کے جنگ لڑنا ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اطراف مدینہ کے مختلف دشمن قبائل کی سرکوبی کے لئے چھوٹے بڑے دستے روانہ کیا کرتے تھے۔ رہی مدافعانہ جنگ تو وہ تو بہر حال لڑنا ہے اور اس میں تناسب کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر مسلمان اپنی کمزور حالت کے باوجود اپنے سے تین گنا طاقت سے لڑے۔ اسی طرح جنگ احد میں بھی انہیں تین گنا سے زیادہ طاقت کا مقابلہ کرنا پڑا اور جنگ خندق میں تو دشمن کی تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی جب کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار اور ایک روایت کے مطابق تو ایک ہزار سے بھی کم تھی یعنی ایک اور دس کا مقابلہ تھا۔

عام طور سے مفسرین نے اس آیت کی توجیہہ یہ کی ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ مسلمان اپنے سے دس گنی تعداد کا مقابلہ کریں اور میدان جنگ سے بھاگیں نہیں لیکن یہ حکم جب مسلمانوں پر شاق گزرا تو دوسری آیت نازل ہوئی جس میں رعایت کر دی گئی کہ اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں وہ ڈٹ جائیں اور اگر دوگنی سے زیادہ تعداد ہو تو فرار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

لیکن آیت کی یہ توجیہہ نہ قرآن کے بیان سے مناسبت رکھتی ہے اور نہ واقعات ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے جہاں تک فرار اختیار کرنے کا سوال ہے اس سورہ کی آیت ۱۶ میں اس کی سخت ممانعت کر دی گئی ہے یعنی جب خواہی نہ خواہی کافروں کی فوج سے مڈبھیڑ ہو ہی جائے تو پھر مسلمانوں کو اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے تک لڑنا ہی ہے خواہ دشمن کی تعداد کچھ بھی ہو۔ مقابلہ سے بھاگنے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اسلام کی لغت میں سرے سے یہ لفظ موجود ہی نہیں ہے۔ اس سے اگر کوئی صورت مستثنیٰ ہے تو وہ صرف جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹ جانا تا کہ دوبارہ بھرپور وار کیا جا سکے۔ رہی واقعات کی شہادت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں ان میں سے کوئی ایک مثال بھی اس بات کی تائید میں نہیں پیش کی جا سکتی کہ مسلمانوں کے لئے کسی موقع پر فرار اختیار کرنا روا رہا ہو حالانکہ ہر موقع پر دشمن فوج کی تعداد مسلمانوں کی فوج کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ رہی ہے۔ اگر اُحُد میں بعض مسلمانوں سے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کئے جانے کی افواہ نے انہیں گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا اور اس گھبراہٹ میں وہ محاذ چھوڑ کر جا رہے تھے تو اس پر قرآن نے سخت گرفت کی حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی جب کہ کافروں کی تعداد تین ہزار تھی۔

اصل میں آیت زیر تفسیر کا تعلق فرار کی رعایت دینے سے نہیں بلکہ جہاد کی اسپرٹ پیدا کرنے سے ہے چنانچہ اوپر کی آیت کا آغاز ہی ''اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر ابھارو'' کے حکم سے ہوا ہے اس لئے آیت کا منشا یہ ہے کہ جنگ کے سلسلہ میں اقدامی نوعیت کا فیصلہ کرنے سے پہلے دشمن کی طاقت کا اندازہ لگایا جائے۔ اگر دشمن کی فوج تم سے دوگنی تعداد میں ہے تو ایسی صورت میں تو اقدام کرنے میں تمہیں کوئی تامل ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ اسی اسپرٹ کے ساتھ پیش قدمی کرتے رہو عجب نہیں کہ تم اپنے سے دس گنی تعداد پر بھاری ہو جاؤ۔ جنگ بدر کے بعد جب مختلف عرب قبائل نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں تو نبی ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لئے جو فوجی دستے بھیجے وہ ٹھیک اس ہدایت کے مطابق تھے۔

۹۹؎ یعنی میدان جنگ میں۔

۱۰۰؎ جنگ بدر میں مسلمانوں نے کافروں کے ستر افراد کو قید کر لیا تھا جن میں ان کے لیڈر عقبہ بن معیط اور نضر بن حارث بھی شامل تھے۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد نبی ﷺ کے حکم سے ان دونوں لیڈروں کو بدر سے قریب ایک مقام پر قتل کر دیا گیا اور بقیہ قیدیوں کو مسلمان اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔

وہاں ان میں سے ان قیدیوں کو جو فدیہ دے سکتے تھے فدیہ لیکر رہا کر دیا گیا اور جو لکھنا پڑھنا سکھا سکتے تھے ان سے یہ خدمت لیکر انہیں رہا کر دیا گیا۔ بقیہ قیدیوں کی رہائی بلا معاوضہ عمل میں آئی۔

اس واقعہ کا جو پہلو نامناسب تھا وہ یہ کہ دشمن کا اچھی طرح صفایا کرنے کے بجائے انہوں نے گرفتار کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس میں یہ ذہن کام کر رہا تھا کہ ان سے فدیہ میں اچھی خاصی رقم وصول ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت پر اور ان کے اسی طرز عمل پر گرفت فرمائی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک نبی کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ میں نگاہیں اس اعلیٰ مقصد پر مرکوز ہونی چاہئیں جس کے لئے ایک نبی میدان جنگ میں اترتا ہے نہ کہ ان مالی و مادی فوائد پر جو ضمناً جنگ میں حاصل ہوتے ہیں۔ مقصدیت کا تقاضا یہ تھا کہ بدر میں جب دشمن شکست کھا رہا تھا تو اس کے خوب پرخچے اڑا دیئے جاتے خاص طور سے دشمن کے کسی لیڈر کو تو ہرگز زندہ رہنے نہ دیا جاتا کہ پھر اسے سر اٹھانے کا موقع ملے مگر تم نے قبل از وقت گرفتاری کا سلسلہ شروع کیا محض اس وجہ سے کہ تم کو فدیہ لینے کا موقع ملے گا۔ خوب سن لو کہ نبی اس لئے جنگ کرتا ہے کہ زمین پر حق کا غلبہ ہو نہ اس لئے کہ دشمنوں کو قید کر کے فدیہ حاصل کرے۔ البتہ اگر دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہو تو فوج کے عام افراد کو قید کرنے اور بعد میں فدیہ لے کر ان کو رہا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۰۱۔ اللہ غالب ہے اس لئے وہ اپنے نبی کا مقام بلند رکھنا چاہتا ہے اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کے تمام فیصلے حکیمانہ ہوتے ہیں۔

۱۰۲۔ جنگ بدر سے پہلے سورہ محمد نازل ہوئی تھی جس میں جنگ کے سلسلے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ (سورہ محمد۔۴)

"لہٰذا جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب آ جاؤ تو ان کو مضبوط باندھ لو اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔"

اس حکم میں لڑنے والوں کو قید کرنے کی ہدایت دی گئی تھی جب کہ ان کو اچھی طرح مغلوب کیا جا چکا ہو یعنی لڑائی میں جب تک دشمن کی اچھی طرح سرکوبی نہ کر لی جائے اور اس کا زور ٹوٹ نہ جائے اس وقت تک قتل کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں سے یہ غلطی ہو گئی تھی کہ انہوں نے دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کرنے سے پہلے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا اور ذہن اس میں یہ کام کرنے لگا کہ قیدی بنانے کی صورت میں ان سے فدیہ وصول کیا جا سکے گا۔ اگرچہ یہ غلطی تمام مجاہدین سے نہیں بلکہ ان کے ایک گروہ سے سرزد ہوئی تھی لیکن تھی یہ اجتماعی غلطی جس کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا تھا کہ یہ قیدی رہا ہونے کے بعد موقع پا کر پھر مسلمانوں کے مقابلہ میں آ جاتے۔ اور بعض تو جنگ اُحد کے موقع پر مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے بھی۔ نیز اس سے کمزور مسلمانوں میں فدیہ وصول کرنے کا رجحان پرورش پا سکتا تھا جب کہ جہاد خالصۃً اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے کیا جانا چاہیئے نہ کہ مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے۔ اس وجہ سے اس غلطی پر مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی تا کہ وہ آئندہ ایسی غلطی کرنے سے بچیں۔

آیت میں کتاب من اللہ (اللہ کے فرمان) سے مراد سورہ محمد کی مذکورہ بالا آیت ہے اور یہ تنبیہ جو فرمائی کہ "تم کو سخت سزا بھگتنا پڑتی" تو یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے۔ جنہوں نے پوری طرح غلبہ ہونے سے پہلے دشمنوں کو گرفتار کر لیا تھا اور اس قبل از وقت گرفتاری میں ان کے پیش نظر مالی فائدے (فدیہ) کا حصول تھا اس لئے اس عتاب کو تمام صحابہ سے متعلق سمجھنا صحیح نہیں اس کی نظیر سورہ نور کی یہ آیت ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (سُوْرَہ نُوْر۔۱۴)

"اگر تم لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی وجہ سے تم کو سخت عذاب پہنچتا۔"

اس آیت میں بھی عذاب کی بات بظاہر عام مسلمانوں کے بارے میں کہی گئی ہے لیکن مراد جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہے وہ مسلمان ہیں جو واقعہ اِفک میں

ملوث ہو گئے تھے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے قبل از وقت کافروں کو قیدی بنالیا تھا تو بعد میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیا جا سکتا تھا۔ پھر ایسا کیوں نہیں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قیدی بنا لینے کے بعد کسی خاص وجہ سے ہی کسی قیدی کو قتل کیا جا سکتا تھا۔ عام قیدیوں کے ساتھ قتل کا معاملہ نہیں کیا جا سکتا تھا کیوں کہ سورۂ محمد کی مذکورہ بالا آیت میں پہلے ہی یہ حکم دیا جا چکا تھا کہ جب ان کو قیدی بنالو تو پھر یا احسان کا رویہ اختیار کر کے ان کو چھوڑ دینا ہے یا فدیہ لے کر رہا کر دینا ہے۔

بہر حال جن مسلمانوں سے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی وہ اجتہادی نہیں تھی بلکہ ایک حکم پر صحیح طور سے عمل نہ کرنے کی غلطی تھی جس کو مالی مفاد کے لالچ نے سنگین بنا دیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عتاب ہوا۔

واضح رہے کہ آیت کے الفاظ فیما اخذتم کا ترجمہ عام طور سے ''تم نے جو کچھ لیا اس کی وجہ سے'' کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے پر ہوا تھا۔ آیت کا یہ مفہوم لینے کی صورت میں جلیل القدر صحابہ بھی عتاب کی زد میں آجاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں اشکال یہ ہے کہ فدیہ لینے پر اگر یہ عتاب تھا تو فدیہ واپس کیا جا سکتا تھا نیز اس میں دوسرے اشکالات بھی ہیں اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ ''تمہارے قید کرنے کے نتیجہ میں'' کیا ہے کیوں کہ عربی میں جہاں اخذ کے معنی لینے کے آتے ہیں وہاں گرفتار کرنے اور قید کر لینے کے بھی آتے ہیں چنانچہ عربی میں اخیذ قیدی کو کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو لسان العرب لفظ اخذ ج ۳ ص ۴۷۳) اس توجیہہ سے عتاب کا دائرہ ان ہی لوگوں تک رہتا ہے جن سے قبل از وقت قیدی بنانے کی غلطی سرزد ہوئی تھی نیز دوسرے اشکالات بھی رفع ہو جاتے ہیں۔

۱۰۳؎ یعنی جو غلطی تم سے سرزد ہوئی وہ اپنی جگہ لیکن جہاں تک مال غنیمت کا سوال ہے جس میں قیدیوں سے لیا ہوا فدیہ بھی شامل ہے اس کے برتنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ حلال اور پاک ہے۔

ضمناً اس سے ایک اہم اصولی بات بھی واضح ہوئی اور وہ یہ کہ غنیمت کا یہ مال جو کافروں کی مِلک تھا انہوں نے جائز اور ناجائز دونوں ذرائع سے کمایا ہوگا لیکن جب وہ جائز ذریعہ سے مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تو ان باتوں کو کریدے بغیر اس کو حلال اور پاکیزہ قرار دیا گیا اس لئے اس سے بات نکلتی ہے کہ اجتماعی شکل میں جو اموال مسلمانوں کی طرف منتقل ہوں یا اسلامی حکومت کے خزانہ میں جمع ہوں ان کی منتقلی اگر جائز نوعیت کی ہے تو نفسِ مال کے بارے میں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ناجائز کی آمیزش سے پاک تھا یا نہیں۔

۱۰۴؎ یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس کے عوض تمہیں قبول اسلام کی سعادت عطا فرمائے گا اور اس طرح تم اس کی مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے بشرطیکہ اس موقع پر تمہاری جو جان بخشی ہوئی ہے اس کی تم قدر کرو۔

۱۰۵؎ یعنی اگر وہ نبی کے احسان کی ناقدری کر کے پھر اس کے مقابلہ میں آنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے۔

۱۰۶؎ ہجرت کے معنی بھاگنے کے نہیں بلکہ ترک وطن کرنے کے ہیں۔ اہل ایمان وطن پرست نہیں ہوتے بلکہ خدا پرست ہوتے ہیں اس لئے جب خدا کا دین اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس زمین کو ترک کر دیں جو حق کیلئے تنگ ہو رہی ہے تو وہ یہ قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں جب کہ سورۂ انفال نازل ہوئی اسلام کی قوت مدینہ میں مجتمع کی جا رہی تھی تا کہ نبی کی زیر قیادت کفر کا مقابلہ کیا جا سکے اس لئے اس مقصد کی خاطر جو لوگ مکہ چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے وہ قدر و منزلت کے مستحق ہوئے۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نساء نوٹ ۱۷۷؎۔

۱۰۷؎ جہاد کے معنی محض جدوجہد کے نہیں ہیں بلکہ ایسی جدوجہد کے ہیں جس میں اہل ایمان مخالف حق طاقت سے نبرد آزمائی کریں۔ حق و باطل میں جب جنگ برپا ہو تو وہ حق کی مدافعت میں اپنے مال بھی صرف کریں اور جان کی بازی بھی لگا دیں۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ نوٹ ۱۲۳۔

۱۰۸۔ مراد مدینہ کے انصار ہیں جنہوں نے مہاجر مسلمانوں کی ہر طرح مدد کی۔ یہ مدد وقتی ریلیف نہیں تھی بلکہ اپنے نصف مال کی پر خلوص پیشکش تھی ساتھ ہی انہوں نے ان کو رہنے کے لئے اپنے گھروں میں جگہ دی۔

۱۰۹۔ متن میں لفظ اولیاء استعمال ہوا ہے جو ''ولی'' کی جمع ہے۔ عربی میں یہ لفظ کئی معنی میں آتا ہے لیکن جب اس کا استعمال دشمن کے مقابلہ میں ہوتا ہے تو اس کے معنی رفیق اور حامی و ناصر کے ہوتے ہیں۔ یہاں مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا ولی جو کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اس لئے ان پر ایک دوسرے کی حفاظت اور حمایت و نصرت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ان کے اندر ایسا اتحاد اور ایسی اجتماعیت ہونی چاہیئے کہ وہ اچھی طرح اپنی حفاظت و مدافعت بھی کر سکیں اور مقصد حق کے لئے جہاد بھی کر سکیں۔ رفاقت کا یہ رشتہ جو اسلامی ریاست کے مسلمان شہریوں کے درمیان قائم کر دیا گیا تھا ان پر بھاری سیاسی ذمہ داریاں عائد کرتا تھا۔

۱۱۰۔ یعنی جن لوگوں نے اسلام تو قبول کیا ہے لیکن وہ ہجرت کر کے مدینہ نہیں آئے ہیں ان سے سیاسی معاملات و مسائل میں تمہارا رفاقت کا تعلق نہیں ہے۔ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلامی معاشرہ کے افراد ضرور ہیں۔ لیکن مدینہ میں مسلمانوں کی جو سیاسی ہیئت تشکیل پائی ہے اس کے رکن نہیں ہیں اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی اور نہ ان پر اس معاہدہ کی پابندی لازم آتی ہے۔ جو تم نے کسی قوم سے کیا ہو۔

اس سے واضح ہوا کہ اسلام کا بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست اپنے حدود سے باہر رہنے والے مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہے۔

۱۱۱۔ یعنی چونکہ وہ اسلامی ریاست کے حدود سے باہر رہتے ہیں اس لئے اگر چہ تم پر ان کی حفاظت کی قانونی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ وہ دینی بھائی اور ملت اسلامیہ کے افراد ہیں اس لئے دین کے معاملہ میں اگر وہ کسی مدد کے طالب ہوں تو تمہیں چاہیئے کہ ان کی مدد کرو الّا یہ کہ وہ جس ریاست میں رہتے ہوں اس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہو اور وہ اس کے خلاف تم سے مدد طلب کریں۔ ایسی صورت میں تم کو معاہدہ کا احترام کرنا چاہیئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے ناروا طریقے اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔

اس سے بین الاقوامی امور کے سلسلہ میں درج ذیل اصولی باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱) غیر اسلامی ریاستوں کی مسلم اقلیت کی حفاظت کی کوئی قانونی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان سے اس طرح بے تعلق رہیں کہ وقت ضرورت دین کے معاملہ میں ان کی کوئی مدد نہ کریں بلکہ جس طرح کی مدد کے وہ مستحق ہیں ان کی ضرور مدد کی جائے کیونکہ سب ایک ہی ملت اسلامیہ کے افراد ہیں۔ مثال کے طور پر اگر مسلمان مسجدوں کی تعمیر یا دینی مدارس کے قیام یا اشاعت دین کے لئے کسی اسلامی ریاست سے مدد چاہیں تو ان کاموں کے لئے ان کی مدد کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی چیز مانع نہیں ہے بلکہ حالات جس حد تک اجازت دیں ایسے کاموں میں ان کی مدد ضرور کرنا چاہیئے۔

۲) اگر اسلامی ریاست نے کسی غیر اسلامی ریاست کے ساتھ ناجنگ یا صلح کا معاہدہ کر لیا ہو اور وہاں کی مسلم اقلیت اسلامی ریاست سے کوئی ایسی مدد طلب کرتی ہے جس کو وہ اپنی ریاست کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے کیوں کہ یہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۳) ظلم خواہ مسلمانوں پر کیا جا رہا ہو یا غیر مسلموں پر، اقلیت کو اس کا نشانہ بنایا جا رہا ہو یا اکثریت کو اسلامی ریاست کے لئے اس کے خلاف آواز اٹھانے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کیوں کہ مظلوم کی حمایت کرنا اسلامی اخلاق کا اہم ترین اصول ہے لیکن جس ریاست میں یہ ظلم ہو رہا ہو اس کے خلاف کوئی کارروائی اس صورت میں نہیں کی جا سکتی جب کہ اس کے ساتھ اسلامی ریاست نے صلح کا معاہدہ کر رکھا ہو۔

جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مؤمن ہیں۔ان کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔(القرآن)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝۷۳

۷۳ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور زبردست فساد برپا ہوگا۔ ۱۱۲؎

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۷۴

۷۴ جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مؤمن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔ ۱۱۳؎

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵

۷۵ اور جولوگ بعد میں ایمان لائیں اور ہجرت کریں اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کریں وہ بھی تم ہی میں سے ہیں ۱۱۴؎ ۔ اور خون کے رشتہ دار، اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں ۱۱۵؎۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

۱۱۲؎ یعنی کفار سب مل کر ملت واحدہ ہیں ان کے خیالات اور نظریات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں جہاں تک کفر یعنی انکار حق کا تعلق ہے وہ سب اس پر متفق ہیں اور اسلام کے خلاف اپنی متحدہ قوت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں اگر مسلمانوں نے ان ہدایات پر عمل نہیں کیا جو انہیں باہمی نصرت آپس کے اتحاد اور اسلامی ریاست کے باہر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے دی جارہی ہے تو زبردست فتنہ وفساد کی صورت پیدا ہوجائے گی۔

آج دنیا کی فضا فتنوں سے غبار آلود ہوگئی ہے یہاں تک کہ حق وصداقت کی راہ پر چلنے والوں کے لئے سانس لینا مشکل ہوگیا ہے اور فساد کا سیلاب روئے زمین پر اس طرح امنڈ آیا ہے کہ دنیا کی چھوٹی بڑی سب قومیں اس میں غرق ہورہی ہیں مسلم اور غیر مسلم سب اس کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ مسلمانوں کو ایک صالح طاقت بن کر ابھرنا چاہیئے تھا مگر وہ ابھر نہ سکے۔ ان کو مختلف ممالک میں اقتدار حاصل ہے مگر وہ اپنے فرائض سے غافل ہیں اور دنیا سے شر وفساد مٹانے کے لئے جن وسائل کو کام میں لانے کی ضرورت ہے اس کی طرف سے وہ بالکل بے پرواہ ہیں۔ ایسی صورت میں ان پر اور دنیا والوں پر اللہ کا قہر نازل ہورہا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

۱۱۳؎ اوپر مہاجرین وانصار کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا تھا یہاں ان کو سچا اور پکا مؤمن ٹھہراتے ہوئے اخروی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔

۱۱۴؎ یہ ہدایت مہاجرین وانصار کو دی گئی ہے کہ آئندہ جو لوگ ایمان لائیں اور ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائیں نیز تمہارے ساتھ جہاد میں شریک ہوں ان کو اپنے گروہ میں شامل سمجھو اور ان کے ساتھ اس بنا پر کوئی امتیاز نہ برتو کہ وہ اس سے پہلے تمہارے مخالف رہے ہیں۔

۱۱۵؎ یعنی جہاں تک وراثت کا تعلق ہے مسلمانوں کے درمیان اس کی تقسیم خونی رشتہ کی بنا پر عمل میں آئے گی نہ کہ اس بھائی چارگی کے تعلق کی بنا پر جو انصار اور مہاجرین کے درمیان قائم کردیا گیا تھا۔ یہ تعلق اپنی جگہ پر اور خونی رشتہ اپنی جگہ پر۔ اللہ کے قانون میراث کی بنیاد خونی رشتہ پر ہے کیوں کہ معاشرتی معاملات میں ان کے حقوق اولیت رکھتے ہیں۔ یہاں یہ اصولی ہدایت دینے پر اکتفا کیا گیا تھا بعد میں جب سورہ نساء نازل ہوئی تو اس میں قانونِ میراث تفصیل سے بیان کیا گیا۔